# سچائی کی جستجو

# EVER THOUGHT ABOUT THE TRUTH?

ہارون یحییٰ

مترجم: ڈاکٹر فردوس روحی

نظرثانی: ڈاکٹر صدیق ہاشمی

MAKTABA-E-REHMANIA

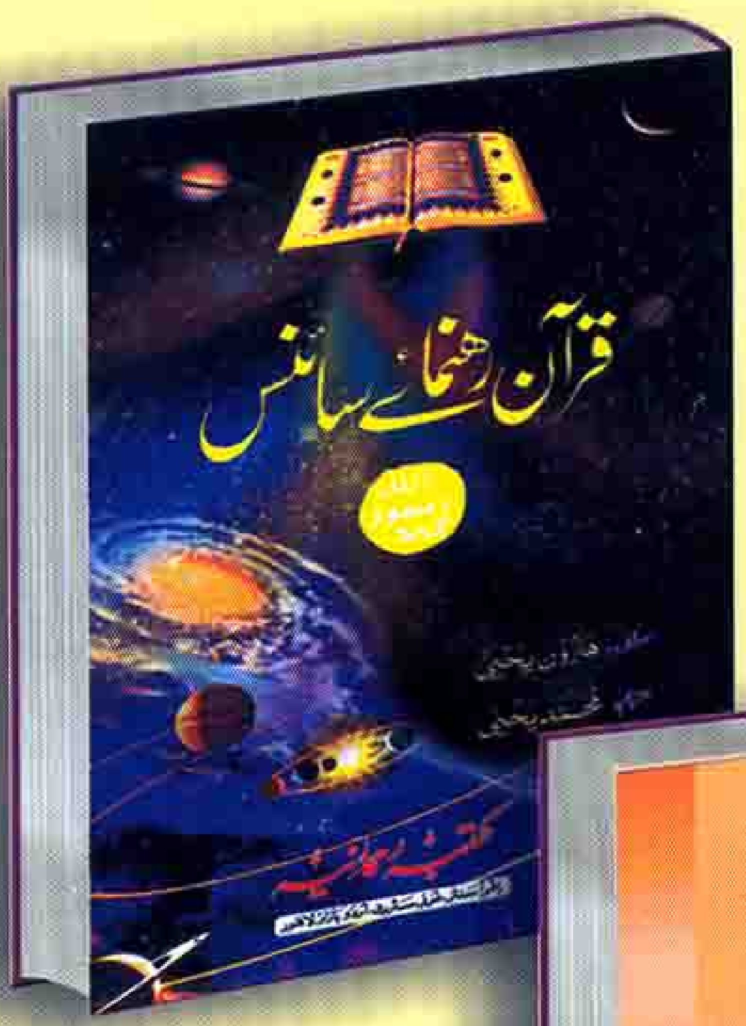


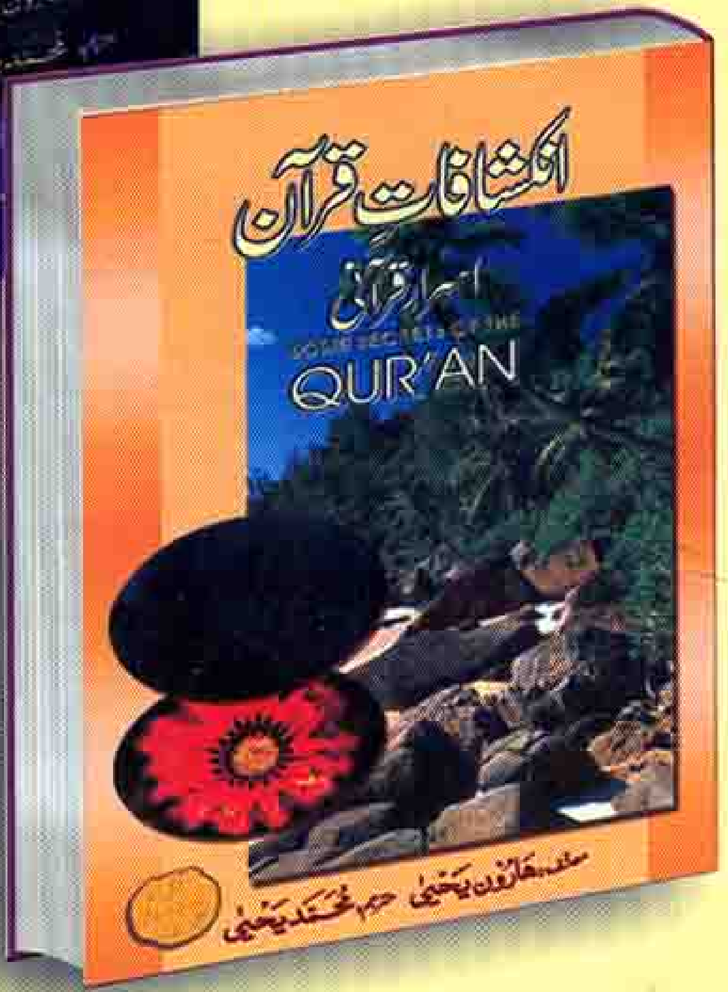


MAKTABA-E-REHMANIA

مکتبہ رحمانیہ

اِقرأ سنٹر۔ غزنی سٹریٹ۔ اُردو بازار۔ لاہور

# کبھی حقیقت کے بارے میں

# سوچا؟

کیا انسان دیکھتا نہیں ہے کہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا اور پھر وہ صریح جھگڑالو بن کر کھڑا ہو گیا؟ اب وہ ہم پر مثالیں چسپاں کرتا ہے اور اپنی پیدائش کو بھول جاتا ہے۔ کہتا ہے ''کون ان ہڈیوں کو زندہ کرے گا جب کہ یہ بوسیدہ ہو چکی ہوں؟'' اس سے کہو انہیں وہی زندہ کرے گا جس نے پہلے انہیں پیدا کیا تھا' اور وہ تخلیق کا ہر کام جانتا ہے۔ (یٰسں ۷۷۔۷۹)

## ہارون یحیٰ

اول اشاعت' 2000

گڈورڈ بکس' 2000

گڈورڈ بکس
1, نظام الدین ویسٹ مارکیٹ
نئی دہلی 110013
ٹیلی فون 4625454, 4626666, 4611128
فیکس 4647980, 4697333
ای میل skhan@vsnl.com
http://www.alrisala.org

طباعت ہندوستان

# فہرست

حصہ اول: ایک نئی دنیا

(1) بنیادی سوالات
(2) قرآن پر غور وفکر کرنا
(3) دین جو قرآن میں بیان کیا گیا اور ہمارے آباؤ اجداد کا دین
(4) سچے مومن اور بہروپیے
(5) مومنین جیسا کہ قرآن میں بیان ہوئے
(6) اپنے آپ سے سوال
(7) ایک ایسے شخص کا نمونہ جو دین سے دور معاشرے میں رہتا ہے
(8) بے دین معاشرے کی اقدار سے قرآنی اخلاقیات کی طرف عبور
(9) دنیا اور آخرت
(10) جنت مومنین کا اصل گھر
(11) جہنم کافروں کے لئے تیار شدہ

حصہ دوم: ایک نیا رخ

(1) برقی اشاروں سے بنی ہوئی دنیا
(2) دنیا' ہمارے دماغ میں بناوٹ کی طرح
(3) حقیقی بیرونی دنیا کی طرف راستہ ناپید
(4) جانور مختلف انداز سے دیکھتے ہیں
(5) ایسی کائنات میں رہنا جو ہمارے دماغ میں بنی ہے
(6) کیا ''بیرونی دنیا'' کا واقعی وجود ہے؟
(7) خواب' ہمارے دماغوں میں دنیا
(8) مصنوعی نیند سے بنائی ہوئی دنیا
(9) ہولوگرام: تین رخے خواب
(10) مادے کی اصل حقیقت
(11) سیمولیٹر: مصنوعی حقیقت
(12) کون ہے جو دیکھتا ہے؟
(13) نیند' خواب' موت اور آخرت

(14) وقت کا نظریہ اضافت

(15) علت اور انجام ۔گمراہ کن نسبت

(16) ’’بے کار نام‘‘: فطرت کے قوانین

حصہ سوئم: ہمارے گردوپیش میں معجزات

(1) شہد کی مکھی

(2) شہد کا معجزہ

(3) اونٹ

(4) اونٹ بوجھ کا درندہ

(5) مچھر

# حصہ اول

## ایک نئی دنیا

**یہ راستہ تمہارے رب کا سیدھا راستہ ہے اور اس کے نشانات ان لوگوں کے لئے واضح کر دیئے گئے ہیں جو نصیحت قبول کرتے ہیں. (الانعام 126)**

**پس (اے نبیؐ) بشارت دے دو میرے ان بندوں کو جو بات کو غور سے سنتے ہیں اور اس کے بہترین پہلو کی پیروی کرتے ہیں. یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت بخشی ہے اور یہی دانشمند ہیں. (الزمر 18)**

اس کتاب کا خاص مقصد قاری کو ان معاملات کی تشخیص پر آمادہ کرنا ہے جن کو اس نے غیر اہم تصور کرتے ہوئے ایک طرف کر دیا ہے لیکن اصل میں وہ اس کی زندگی کے سب سے اہم مسائل ہیں۔ اس عمل میں اسے اپنے تعصبات کو معطل رکھنا ہوگا یہاں تک کہ وہ ان معیارات کو دوبارہ جانچ لے جن کو اب تک اس نے قطعی جان کو قبول کر رکھا تھا۔

ہمیں یہ بات ذہن نشین ہونی چاہئے کہ جب کوئی شخص کسی صورت حال کا سامنا متعصب رویے سے کرتا ہے تو وہ ایک صحت مند فیصلہ کرنے یا اس کے بارے میں صحیح نتیجے پر پہنچنے کی استطاعت سے محروم ہوتا ہے۔ درحقیقت جب کوئی کسی چیز کو درست دیکھنا چاہتا ہے تو اسے درست دیکھتا ہے۔ اسی طرح کوئی شخص کسی چیز کو برا سمجھتا ہے کیونکہ اس نے پہلے ہی سے یہ فیصلہ کر لیا کہ یہ اس طرح ہے۔

ان تعصبات اور فرضی قیاسات کے متعلق بتانے کا نقطہ یہ ہے کہ یہ شاذونادر ہی کسی شخص کے اپنے بنائے ہوئے ہوتے ہیں۔ زندگی کے آغاز ہی سے وہ معاشرے کے آہستہ آہستہ ذہن نشین کرائے ہوئے بیش بہا تعصبات سے لد جاتا ہے۔ اہل خانہ دوست اور دوسرے قریبی تعلقات اس کی عقلی اقدار کا تعین کرتے ہیں۔ ذرائع ابلاغ لوگوں کے رجحان کو خاص موضوعات کی طرف مرتب کرنے میں بہت بڑی استعداد رکھتے ہیں۔ اخبارات اور ٹیلی ویژن پابندی کے ساتھ سچ کو ناخوشگوار نا قابل قبول حتیٰ کہ نقصان دہ دکھا کر غلط نمائندگی کرتے ہیں جبکہ غلط کو اچھا اور پسندیدہ دکھاتے ہیں۔

جو شخص معاشرے کے ذہن نشین کرائے ہوئے ان تعصبات کو فوراً قبول کر لیتا ہے وہ اپنی شخصیت کا بڑا حصہ کھو دیتا ہے۔ وہ دوسروں کی مشروطیت کے زیر اثر کام کرتا ہے اور ایک آزاد ارادے یا ذہن کے ساتھ معاملات نہیں کرتا۔ دوسروں کے میلانات اس کے کردار کا تعین کرتے ہیں۔ اس طرح وہ صرف ان اقدار کو سچ مانتا ہے جو اسے سچ باور کرائی جاتی ہیں۔ علاوہ ازیں جب ہم غور کرتے ہیں کہ مختلف سماجی پس منظر رکھنے والے معاشرے مختلف "صحیح اور غلط" میں یقین رکھتے ہیں تو ہم دیکھ سکتے ہیں کہ کسی بھی معاشرے کے عقلی اقدار کو چیلنج کئے بغیر ان کی اندھادھند تقلید کرنا کوئی ہوش مندی نہیں۔ اسی طرح جو چیز آج متفقہ طور پر غلط اور غیر اخلاقی جانی جاتی ہے۔ شاید مستقبل میں قابل قبول بھی جائے۔

انسانی گوشت کھانا آدم خور کے لئے بالکل ٹھیک ہے اور نازی جرمنی کی طرح فسطائی معاشرے میں ایک دیوانے رہنما کا حکم ماننا اس وقت کے لوگوں کے لئے جنہوں نے اس کی پیروی کی یا ساتھ دیا بالکل صحیح تھا۔ مثالوں کی تعداد بے شمار ہے جس چیز پر ہمیں زور دینا چاہئے۔ وہ یہ کہ معاشرے کی مشروطیت پر آزادانہ غور و فکر کرنا ایسا رویہ ہے جو مفکر میں حکمت کی دلالت ہے۔ ایسا شخص یقیناً اس بات سے آگاہ ہے کہ

معاشرے کی تھوپی ہوئی اقدار غلط بھی ہوسکتی ہیں اور اگر ان کو اپنا لیا جائے تو اخلاقی برائیوں کے دوراہے پر لا کھڑا کریں گی۔

مذہب خصوصاً آج کل کے زمانے میں بہت اہم موضوعات میں سے ہے جس کے بارے میں معاشرے کی طرف سے بے شمار تعصبات پیدا کئے جاتے ہیں۔ مذہب کے بارے میں ذرائع ابلاغ کے پیدا کئے ہوئے تعصبات سے نپٹنا خاصا مشکل ہے۔

ان تعصبات کے نتیجے میں ہمارے معاشرے میں مذہب ایک ایسا تصور بن گیا ہے جسے اکثریت یا تو کوئی اہمیت نہیں دیتی یا وہ یہ یقین رکھتے ہیں کہ انہیں اس کے بارے میں سوچنے کی کوئی ضرورت نہیں اور اس سے حتی الامکان دور رہنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ وہ لوگ جو اس تعریف پر ٹھیک بیٹھتے ہیں ان کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ انہوں نے یہ رویہ دانستہ طور پر اپنایا ہے۔ ان کے لئے مذہب ایک ایسا خارج از بحث موضوع ہے جو ان کے کسی فائدے کا نہیں۔ اس کے برعکس وہ ان پر کچھ پابندیاں عائد کرتا ہے۔ ایسا نقطہ نظر رکھنے والا شخص پوچھنے پر یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ مسلمان ہے حالانکہ مذہب اس کے نزدیک غیر اہم معاملات میں سے ہے اور ایک ایسا موضوع جس کے بارے میں وہ کافی حد تک انجان ہے۔

یقیناً ایسے شخص نے مذہب کو کبھی سنجیدگی سے نہیں سوچا شاید اپنی زندگی میں ایک بار بھی نہیں اس نے شاید کبھی بھی سنجیدگی سے ایسے سوالوں کے بارے میں نہیں سوچا جیسے زندگی کا مقصد کیا ہے؟ میرا وجود کیوں ہے؟ مذہب کے تصور کا وجود کیوں ہے وغیرہ۔ اس کے لئے مذہب ایک ایسا معاملہ ہے جو عمومی طور پر سن رسیدہ لوگوں کی تشویش ہے جو کچھ اخلاقی اقدار پیش کرتا ہے لیکن بحیثیت مجموعی اُکتا نے والی، ناگوار رکاوٹیں اور پابندیاں عائد کرتا ہے۔ وہ مذہبی تعطیلات اور تہواروں پر اور کچھ اہم دنوں جیسے رشتہ دار کی موت وغیرہ پر کچھ مذہبی رسومات پر عمل کرتا ہے لیکن وہ ان ظاہری رسومات میں سے کچھ کو صحیح اور ضروری گردانتا ہے اور باقی دوسری اس کے نزدیک قدیم اور فرسودہ ہیں۔ اگر چہ وہ مذہب کا انکار نہیں کرتا، جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا وہ اس سے حتی الوسع دور رہنے کی کوشش کرتا ہے۔

مذہب کے بارے میں اس غلط تصور کی ابتداء معاشرے کی طرف عائد کئے ہوئے فرضی قیاسات کو آزادانہ جانچ پڑتال کئے بغیر قبول کر لینے سے ہوتی ہے۔ حالانکہ زندگی کے ہر شعبے میں استدلال کرنا اور غور وفکر کرنا انسانوں کے لئے بہت اہم ہے۔ عقلی دلیل کی قوت ہی ان کو جانوروں سے مختلف بناتی ہے۔ قرآن پاک میں جو کہ آخری اخلاقی رہنما کتاب ہے۔ بہت سی آیات میں غور وفکر کرنے کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے جیسے:

> **"ان سے کہو بتاؤ، اگر تم جانتے ہو، کہ یہ زمین اور اس کی ساری آبادی کس کی ہے؟ یہ ضرور کہیں گے کہ اللہ کی کہو، پھر تم ہوش میں کیوں نہیں آتے؟" (المومنون 84-85)**
>
> **"ہم نے اس قرآن کو نصیحت کے لئے آسان ذریعہ بنا دیا ہے، پھر کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟" (القمر 17)**
>
> **"حقیقت یہ ہے کہ تمہارا رب وہی خدا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر تخت سلطنت پر جلوہ گر ہو کر کائنات کا انتظام چلا رہا ہے۔ کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہے۔ اِلّا یہ کہ اس کی اجازت کے بعد شفاعت کرے۔ یہی اللہ تمہارا رب ہے لہٰذا تم اسی کی عبادت کرو۔ کیا تم غور و فکر نہیں کرتے؟ " (سورۃ یونس 3)**

وہ لوگ جو معاشرتی اثرات سے آزاد ہو کر مذہب کے بارے میں نہیں سوچ سکتے وہ دو عظیم غلطیاں کرتے ہیں۔ پہلی یہ کہ وہ مذہب کے اصل مقصد سے ناواقف ہیں اور یوں مذہب سے کترانے کی کوشش میں اللہ سے ناآشنا ہوتے ہیں۔

دوسری غلطی یہ تصور قائم کر لینا کہ مذہب کا وجود اس لئے ہے کہ لوگوں کو ایک بے ہنگم متعصب اور مشکلات سے بھرپور صورتحال کی طرف گھسیٹے اور لوگوں پر ایسے فرائض عائد کرتا ہے جو ان کی اپنی فطرت کے خلاف ہے۔ منفی رویہ کہ ''مذہب اکتاہٹ پیدا کرتا ہے'' کی بنیادی وجہ کچھ لوگوں کا بظاہر اللہ کے راستے پر کام کرتے ہوئے ہٹ دھرم رویہ کا اظہار ہے جو اوپر بیان کردہ منفی رویے کو تقویت دیتے ہیں حالانکہ اس رویے کی اصل دین سے کوئی مماثلت نہیں ہے۔

جب ایک شخص پہلی غلطی کو درست کر لیتا ہے اور اپنے خالق اور اس کی صفات کو پہچان لیتا ہے تو وہ ان تمام توہمات سے جو اسے دین سے دور رکھے ہوئے تھے' نجات حاصل کر لیتا ہے۔ پہلی غلطی کی درستگی سے اسے وہ تیز فہمی اور فراست حاصل ہوتی ہے جو اسے دوسری غلطی کی درستگی میں مدد دیتی ہے۔

یہ اسے ایسی قابلیت عطا کرتی ہیں کہ وہ اصل دین اور دین کے بھیس میں غلط رویوں میں تمیز کر سکے۔ پھر وہ شخص پوری طرح جان لیتا ہے کہ دین کے طریقے پر زندگی گزارنا آسان ہے اور اس کی زندگی میں سچی خوشی' خیر و عافیت اور آزادی کا باعث ہے۔

مختصراً جس معاشرے میں ہم رہتے ہیں وہاں مذہب کے بارے میں بے شمار تعصبات پیدا کر دیے گئے ہیں بہرحال مذہب تک رسائی میں بنیادی معیار قرآن کی طرح خالص اسناد کا ہونا ضروری ہے نہ کہ دین کے بارے میں لوگوں کے اقوال۔

قرآن میں اس بات کا اشارہ دیا گیا ہے کہ ضروری نہیں لوگوں کے عام چلن کی پیروی کرنا اللہ کے راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہو۔

''اور اگر تم ان لوگوں کی اکثریت کے کہنے پر چلو جو زمین میں بستے ہیں تو وہ تمہیں اللہ کے راستے
سے بھٹکا دیں گے۔ وہ تو محض گمان پر چلتے اور قیاس آرائیاں کرتے ہیں'' (الانعام 116)

جب ایک شخص بھیڑ چال چھوڑ کر اپنی روح سے سوچنا شروع کرتا ہے تو اوپر کی قرآنی آیت میں تاکید کردہ حقیقت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے۔ وہ ایک نئی دنیا میں قدم رکھتا ہے جو لوگوں کے عام چلن سے بالکل مختلف ہے۔ یہ قدم اس کی پرانی زندگی کی تاریکی' اذیت اور اور پریشانیوں کو دور کر دیتا ہے اور اسے بیش بہا رحمتیں اور دین کی گہری حکمت عطا کرتا ہے۔

اس کتاب کے بقیہ حصے کا مطالعہ کرنے سے پہلے ہم آپ کو یاد دہانی کرا دیں کہ لفظ دین صرف اسلام کے لئے مختص ہے جیسا کہ سورۃ آل عمران کی آیت 19 میں فرمایا گیا: ''اللہ کی نظر میں دین صرف اسلام ہے''

# بنیادی سوالات:

**"کیا یہ کسی خالق کے بغیر خود پیدا ہو گئے ہیں؟ یا یہ خود اپنے خالق ہیں؟ یا زمین و آسمان کو انھوں نے پیدا کیا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ یہ یقین نہیں رکھتے۔ کیا تیرے رب کے خزانے ان کے قبضے میں ہیں؟ یا ان پر انہی کا حکم چلتا ہے؟" (الطور 35-37)**

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا' ایک متعصب شخص کی پہلی غلطی مذہب کا اللہ تعالیٰ کے تصور کے بغیر اندازہ لگانا ہے مثلاً جو ماہر عمرانیات مذہب پر تحقیق کرتے ہیں' مختلف مذاہب کے ظہور اور ان کے معاشروں کے تمدن پر اثرات کے بارے میں ہزاروں کتابیں لکھ سکتے ہیں۔ لیکن اس تمام علمی مطالعے کے باوجود یہ لوگ ان لوگوں کے مقابلے میں جو اپنی زندگیاں مذہب کی حدود میں گزارتے ہیں' مذہب کے عشر عشیر کو نہیں جان سکتے۔

ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی واحدانیت جیسی حقیقت کا ادراک کرنے کے قابل نہیں ہوتے جو کہ مذہب کی بنیاد ہے۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کو نہیں مانتا تو پھر وہ زندگی کے متعلق اپنی محدود بصیرت کے تحت قرآن اور مسلمانوں پر تحقیقات کرے گا۔

قرآن ایسے لوگوں کے بارے میں ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے۔

**"بلکہ ایسی چیز کی تکذیب کرنے لگے جس کو اپنے احاطہ علمی میں نہیں لائے اور ہنوز ان کو اس کا اخیر نتیجہ نہیں ملا۔" (یونس 39)**

اسلام انسان کا بنایا ہوا نظریہ نہیں ہے جس کے بارے میں ناپختہ خیالات اور بے بنیاد فیصلے گھڑے جاسکیں۔ ایک شخص صرف اس وقت اسلام کے بارے میں سمجھ سکتا ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کے وجود کو سمجھتا ہے اور اپنی زندگی قرآن کے مطابق گزارتا ہے۔

فی الواقع اللہ تعالیٰ کا وجود اور یہ سچائی کہ اللہ کے سوائے کوئی خدا نہیں' روز روشن کی طرح عیاں حقائق ہیں۔ لیکن ایک جاہل معاشرے میں جہاں لوگ بے اعتنائی اور سستی کی روش کی وجہ سے اپنی عقل سے کام نہیں لیتے' اندھے پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس حقیقت کا ادراک نہیں کر سکتے۔ دراصل یہی وجہ ہے کہ ان کو 'جاہلی معاشرے" سے موسوم کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے وجود پر غور و فکر کرنے کے بارے میں قرآن میں پائی جانے والی بہت سی آیات میں سے ایک میں اللہ تعالیٰ' رسول اللہ ﷺ کو نصیحت فرماتے ہیں کہ جاہلوں کو کیسے خطاب کیا جائے۔

**"آپ کہیے کہ یہ بتلاؤ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری سماعت اور بصارت بالکل لے لے اور تمہارے دلوں پر مہر کردے تو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود ہے کہ یہ تم کو پھر دے دے۔ آپ دیکھیے تو ہم کس طرح دلائل کو مختلف پہلوؤں سے پیش کررہے ہیں پھر بھی یہ اعراض کرتے ہیں۔" (الانعام 46)**

ایک مختصر مثال ہماری طبعی جاہلیت کو دور کرتے ہوئے ہمارے نظریات کو جلا بخش سکتی ہے۔ فرض کیجیے کہ ایک آدمی کی یادداشت مکمل طور پر ختم ہو چکی ہے۔ حتیٰ کہ اپنے وجود کے بارے میں بھی احساس باقی نہیں رہا۔ اگر وہ اپنے آپ کو زمین پر پاتا ہے تو وہ کیا محسوس کرے گا؟ بلاشبہ وہ اس قدر حیران و ششدر ہوگا کہ تجسس میں پاگل ہو جائے۔ پہلی چیز جس کی طرف اس کا دھیان جائے گا وہ شاید اس کا اپنا جسم ہوگا وہ اس بات سے بھی آگاہ نہیں ہوگا کہ یہ جسم اس کا اپنا ہے جسے وہ اپنے سامنے کے منظر میں دوسری چیزوں کی طرح ایک چیز سمجھ رہا ہے۔ پھر یہ بات بھی

اس کے لئے بڑی دلچسپ ہوگی کہ وہ اپنے جسم کے اعضاء کوکنٹرول کرسکتا ہےاور جس طرح چاہےان سے کام لےسکتا ہے۔مثلاً وہ اپنے بازوکو اوپر نیچے ہلاکراس سے کام لینے کی کوشش کرے گا۔وہ اپنے جسم کے لئے نہایت موزوں ماحول پائے گا جس کے وجود کی کوئی توجیہہ اب تک اس کے علم میں نہ ہوگی۔کھڑے ہونے کے لئے ایک پرامن زمین' دیکھنے کو صاف نظارہ' سونگھنے کوخوبصورت خوشبوئیں' بے شمار جاندار جسم کے لئے انتہائی موزوں درجہ حرارت' سانس لینے کوخوشگوار فضا اور ہزاروں نازک توازن۔بھوک مٹانے کوطرح طرح کے پھل' پیاس بجھانے کوصاف و شفاف پانی اور بہت کچھ۔

آیئے ایک لمحے کو ہم اپنے آپ کواس جگہ پر رکھ کر سوچیں۔اس مقام پر کیا ہم بس لطف اندوز ہی ہوکر رہ جائیں گے یا عقل مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے آپ سے فیصلہ کن سوالات کریں گے؟

کیا ہم یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ ہم کون ہیں؟ یہاں کیوں ہیں؟ ہماری تخلیق کا کیا مقصد ہے؟ ہماری موجودہ زندگی کا کیا مقصد ہے؟ کیا ہم ان سوالات پر کوئی توجہ نہ کریں گے؟ اور بس ہماری فکر یہ ہوگی کہ ہم اپنی زندگی سے کتنا لطف اندوز ہوئے؟

کیا ہمارے ذہن میں آنے والے سوالات کچھ یوں نہ ہوں گے؟

☆ میں کون ہوں؟

☆ مجھے کس نے پیدا کیا اور کس نے میرا یہ متناسب جسم تخلیق کیا؟

☆ میرے گردوپیش میں یہ عظیم نظام کس کا تخلیق کردہ ہے؟

☆ وہ ہستی جس نے یہ سب پیدا کیا وہ مجھ سے کیا چاہتی ہے؟ وہ مجھے کیا سمجھانا چاہتی ہے؟

ایک کم عقل آدمی بھی یہ سوچے گا کہ ان سوالات کے جواب ڈھونڈنے سے زیادہ اہم چیز کوئی نہیں۔کوئی شخص جو ان سوالات پر کوئی توجہ نہیں کرتا بلکہ اپنی زندگی صرف جسمانی ضروریات کو پورا کرنے میں' دن میں تفریح اور راتیں سوکر گزارنے کو ترجیح دیتا ہے۔وہ یقیناً عقل سے عاری مخلوق ہے۔کسی نے تو اس کے جسم اور گردوپیش کی چیزوں کو تخلیق کیا ہوگا اور سب اچانک وجود میں آئے ہوں گے۔جس ہستی نے اس کی تخلیق کی ہے' تخلیق کے بعد زندگی کے ہر لمحے اسے اس برتر و اعلیٰ ہستی کا محتاج ہونا چاہئے۔اس اعلیٰ و برتر ہستی جو بے پناہ قوت کی مالک ہے کے بارے میں جاننے سے زیادہ اہم اور کیا چیز ہوسکتی ہے؟

آیئے ہم اپنی مثال جاری رکھتے ہوئے یہ فرض کریں کہ وہ شخص کچھ راستہ طے کرتا ہوا ایک شہر میں پہنچتا ہے جہاں وہ کئی قسم کے لوگوں کو دیکھتا ہے۔ان میں سے اکثر کافی حد تک غیر مہذب' بوالہوس اور دغاباز ہیں۔قریب قریب کوئی بھی شخص ایسا نہیں جو اپنے اور گردوپیش جہاں وہ رہتا ہے' کے مالک کے بارے میں سوچ رہا ہو۔حالانکہ ہر ایک کا کوئی کام ہے' ایک مقصد یا نظریہ ہے لیکن شہر کے لوگ' شہر میں اچھا نظام جس سے سب مطمئن ہو جائیں چلانے پر قدرت نہیں رکھتے۔

فرض کیجئے وہاں اسے ایسے لوگوں سے سابقہ پیش آتا ہے جس کو شہر کے باشندے ناپسند کرتے ہیں اور ان کے ساتھ عداوت اور غصے کے جذبات رکھتے ہیں۔جہاں تک ان لوگوں کی ماہیت کا تعلق ہے وہ یہ دیکھتا ہے کہ یہ لوگ دوسروں کے مقابلے میں حد درجہ مختلف ہیں۔وہ محسوس کرتا ہے کہ انسان ہونے کے ناطے وہ نہایت معقول' خوش اخلاق اور قابل اعتماد لوگ ہیں۔وہ منکسر مزاج نظر آتے ہیں اور وہ ایک صاف معتدل اور معقول انداز میں بات کرتے ہیں۔وہ فوراً محسوس کر لیتا ہے کہ ان میں کوئی خرابی نہیں لیکن وہ لوگوں کی ان کے بارے میں مختلف سوچ پر الجھن اور شک کا شکار ہو جاتا ہے۔فرض کیجئے کہ وہ ان کے ساتھ بات چیت کرتا ہے اور وہ اسے بتاتے ہیں کہ زندگی کے بارے میں ہمارا رویہ اور سوچ عام لوگوں سے مختلف ہے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ اس جگہ اور اس میں پائی جانے والی ہر چیز کا ایک مالک ہے۔ہم اس بات سے بھی آگاہ ہیں کہ وہ ہستی بے پناہ طاقت وقوت کی مالک ہے اور اس نے یہ دنیا اور ہر چیز جو اس میں ہے اس لئے بنائی ہے تاکہ وہ ہمارا امتحان لے اور ہماری ترتیب

کرے۔ یہاں تک کہ ہمارا یہاں سے رخصتی کا وقت آ جائے۔ ہمارے پاس اس کی عطا کردہ ایک کتاب ہے اور ہم اس کے مطابق اپنی زندگیاں گزار رہے ہیں۔

ایسی صورتحال میں ہو سکتا ہے وہ شخص سو فیصد یقین سے نہ کہہ سکتا ہو کہ وہ لوگ سچے ہیں یا جھوٹے۔ لیکن یہ بات شاید وہ سمجھ لے گا کہ جو کچھ وہ بتا رہے ہیں وہ بہت اہم ہے۔ وہ یہ محسوس کرے گا کہ اس وقت ان لوگوں کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنے سے زیادہ اہم کوئی چیز نہیں اور وہ جس کتاب کا ذکر کر رہے تھے اس کے بارے میں وہ شخص بہت مشتاق ہو گا۔ آپ بتائیں کیا نہیں ہو گا؟

جو چیز ہمیں اس مثال والے شخص جیسا دانا ہونے سے روکے ہوئے ہے اور وہ ہمارا اس زمین پر لمبے عرصے سے موجود ہونا ہے۔ ہم نے اس مثال والے شخص کی طرح ایک سیانے انسان کے طور پر وجود میں آنے کے بجائے ایک نشو و نما کے عمل کا تجربہ کیا ہے۔ نتیجتاً ہمیں یہ تسلیم کرنا ہو گا کہ ہم میں سے اکثر لوگ اس مثال میں پائے جانے والے شہر کے باشندوں کی طرح ہیں کیونکہ ہم نے اپنی زندگیوں میں ان اہم سوالات کو نظر انداز کر دیا ہے۔ ایک اور چیز جو ہمیں ذہن میں رکھنی چاہئے وہ یہ کہ شہر کے لوگوں میں سے کسی نے بھی دراصل اوپر کے سوالات پر غور کیا نہ اپنے طور پر ان کے جوابات ڈھونڈے اور اس اعلیٰ ہستی سے منہ موڑا جس نے ان کی تخلیق کی۔ درحقیقت ان کی اکثریت ان مراحل سے ہی نہیں گزری بلکہ اپنی اجتماعی جہالت کی وجہ سے ان سوالات کو ایک طرف رکھ کر ان کے بارے میں سوچنا ہی چھوڑ دیا۔

کیا ہم اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ جس جاہلی معاشرے میں ہم رہتے ہیں وہ ہمیں ان اہم سوالات کا جواب دینے سے روکے ہوئے ہے کیونکہ ہمیں اس قسم کے سوالات میں الجھا رکھا ہے جیسے آج رات میں کیا کھاؤں گا؟ کل میں کون سے کپڑے پہنوں گا یا وہ میرے بارے میں کیا سوچتی ہے؟ میں اسے کل کیا کہوں گا؟ بدقسمتی سے یہ انتہاء درجے کی جہالت کے سوا اور کچھ نہیں۔ اگرچہ ہم یہ دعویٰ کرتے ہوں کہ ہم جدید معلوماتی دور میں رہ رہے ہیں۔ اب آپ کے پاس ایک موقع ہے۔ اس جاہلی معاشرے کی پیش کردہ مکمل جہالت جس سے آپ کا واسطہ رہا ہے اس کے بارے میں سوچئے اور اپنے آپ سے یہ سوال پوچھیں جس کے بارے میں آپ نے اب تک نہ سوچا ہو یا ناکافی وضاحت ہونے کے باعث ایک طرف کر دیا ہو۔

میں کس طرح وجود میں آیا؟

اس سوال کا جواب دینے کے قابل ہونے کے لئے مفید ہو گا کہ ہم اپنے وجود کی طبعی ابتداء سے شروع کریں اور غیر معمولی ''واقعہ پیدائش'' پر غور کریں۔

پیدائش کی تاریخ مختصراً یوں بیان کی جا سکتی ہے۔

مردانہ نطفہ یا سپرم اصل میں آدمی کے جسم کے باہر پیدا ہوتے ہیں اس کی وجہ یہ حقیقت ہے کہ سپرم صرف ایک موزوں درجہ حرارت تقریباً 35 درجے سینٹی گریڈ ہی میں پیدا ہو سکتے ہیں جو کہ جسم کے اوسط درجہ حرارت سے دو درجے نیچے ہوتا ہے۔ جسمانی اعضاء میں سے مردانہ فوطے ہی اس میں درجہ حرارت پر ہوتے ہیں کیونکہ یہ جسم سے باہر صحیح طور پر رکھے گئے ہیں۔

مطلوب درجہ حرارت حاصل کرنے کے لئے ایک اور طریقہ کار عمل میں لایا جاتا ہے۔ اس حصے کے درجہ حرارت کو مستحکم رکھنے کے لئے فوطوں کی اوپری جلد سردی سے سکڑتی ہے اور گرمی میں پسینے سے تر ہو جاتی ہے۔ ایک منٹ میں اندازاً ایک ہزار سپرم پیدا ہوتے ہیں اور ان کا ایک خاص ڈیزائن ہوتا ہے جو ان کا آدمی کے فوطوں سے عورت کے انڈے تک کا سفر آسان بناتا ہے۔ سپرم کا اوپری حصہ یا سر گردن اور دم پر مشتمل ہوتا ہے جس کی وجہ سے ماں کے رحم تک مچھلی کی طرح حرکت کرتا ہے۔

اوپری حصے یا سر میں مستقبل کے انسان کا جینیاتی کوڈ ہوتا ہے جو ایک خاص حفاظتی ڈھال سے ڈھکا ہوتا ہے۔ اس ڈھال کا فائدہ ماں کے رحم میں داخلے کے وقت دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ جگہ کافی حد تک تیزابی ہوتی ہے تاکہ ماں کو مختلف جرثوموں اور غیر مانوس ذروں جیسے سپرم وغیرہ

سے محفوظ رکھا جائے۔لیکن اس ڈھال نما چیز کے استعمال سے سپرم کی اکثریت زندہ رہنے کے قابل ہو جاتی ہے۔

ماں کے رحم میں صرف سپرم ہی داخل نہیں کئے جاتے بلکہ منی (Semen) جو مختلف سیال مادوں کا مرکب ہوتا ہے ان میں شکر پائی جاتی ہے جو سپرم کو طاقت فراہم کرتی ہے۔منی (Semen) جو اپنی کیمیائی شکل میں الکلی (Base) ہے' ماں کے رحم میں داخلے کے وقت تیزابی ماحول کو بے اثر کرتے ہوئے سپرم کے لئے ایک محفوظ ماحول فراہم کرتا ہے اس کے ساتھ ساتھ یہ سپرم کی حرکت کے لئے ایک محفوظ ماحول فراہم کرتا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ یہ سپرم کی حرکت کے لئے پھسلن مہیا کرتا ہے۔سپرم ماں کے جسم میں ایک دشوار گزار راستہ طے کرتے ہوئے انڈے تک پہنچتے ہیں۔زندہ رہنے کے لئے چاہے سپرم کتنی کوشش کریں' دوسو سے تین سو ملین میں سے صرف ایک ہزار ہی انڈے تک پہنچ پاتے ہیں۔ان مختصر معلومات کی روشنی میں آیئے ذہن میں ابھرنے والے کچھ سوالوں کے جواب دینے کی کوشش کریں۔ایک سپرم ماں کے رحم میں داخلے کے لئے جس کے بارے میں وہ پہلے بالکل نہیں جانتا' اپنے آپ کو اتنا موزوں کیسے بناتا ہے؟ مرد کے جسم میں سپرم کس طرح یہ صلاحیت حاصل کرلیتا ہے کہ وہ زندہ بچ نکلنے اور مادہ جسم کے حفاظتی انتظامات کے باوجود رحم میں انڈے تک پہنچنے میں کامیاب ہو جاتا ہے حالانکہ سپرم کو مادہ جسم کے بارے میں کوئی معلومات نہیں ہوتیں یہ سب کیسے ہو جاتا ہے؟

چونکہ سپرم پہلے سے ایک انجان ماحول سے موافقت حاصل کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا اس لئے ان سوالات کا ممکن جواب یہی ہے کہ دراصل یہ تخلیق ہی اس طرز پر کیا گیا۔آیئے پیدائش کے عمل کی مختصر کہانی کو جاری رکھتے ہیں۔

انڈہ نمک کے ذرے کا تقریباً آدھا ہوتا ہے۔وہ جگہ جہاں انڈہ اور سپرم ملتے ہیں فلو پین ٹیوب کہلاتی ہے۔انڈہ ایک خاص رطوبت خارج کرتا ہے جو سپرم کو انڈے تک پہنچنے میں مدد دیتی ہے۔جونہی وہ انڈے کے اور قریب پہنچتے ہیں سپرم کی حفاظتی ڈھال انڈے کے خارج کردہ ایک اور مادے سے پگھل جاتی ہے نتیجتاً سپرم کے اوپری حصے کی جھلی پر حل ہونے والے Enzymes کی چھوٹی چھوٹی تھیلیاں نمودار ہوتی ہیں۔

ان Enzymes کو استعمال کرتے ہوئے انڈے کو بارآور کرنے والا سپرم' انڈے کی جھلی میں داخل ہو جاتا ہے۔جب سپرم انڈے کو گھیر لیتے ہیں وہ انڈے میں داخل ہونے کے لئے ایک دوسرے کا مقابلہ کرتے ہیں' اکثر صرف ایک سپرم ہی انڈے کو بارآور کرتا ہے اور اسی وقت کسی دوسرے سپرم کا اس میں داخلہ ناممکن ہو جاتا ہے۔بارآوری کے عمل سے پہلے سپرم اور انڈے کے برقی چارج ایک دوسرے کے برعکس ہوتے ہیں اس لئے ایک دوسرے کے لئے کشش رکھتے ہیں لیکن پہلے سپرم کے انڈے میں داخلے کے بعد انڈے کا برقی چارج بدل جاتا ہے جو دوسرے سپرم کو دور ہٹانے کا کام کرتا ہے۔

آخر کار مرد کا ڈی این اے (DNA) ' مادہ کے ڈی این اے سے مل جاتا ہے۔اس لمحے ایک نیا خلیہ جو زائی گوٹ کہلاتا ہے اور جو ماں کے رحم میں نیا انسان ہے' وجود میں آتا ہے۔

ان معلومات پر غور کرنے سے ایک اور سوال دماغ میں ابھرتا ہے کہ انڈہ کیونکر سپرم کو خوش آمدید کرنے کو پہلے سے تیار ہوتا ہے جیسے وہ جانتا ہو کہ وہ اس سے ملے گا؟ یہ کیسے ہوتا ہے؟اس کا صرف ایک ہی جواب ہے وہ یہ کہ انڈہ تخلیق ہی اس طرح کیا گیا ہے کہ وہ خالق کی مرضی کے مطابق سپرم کے لئے موزوں ہے وہ خالق جس نے سپرم کو بھی تخلیق کیا ہے اور سپرم اور انڈے دونوں کو کنٹرول کرتا ہے۔

پیدائش کے عمل کی یہ غیر معمولی ماہیت اس کے ساتھ ختم نہیں ہوتی۔بارآور ہونے والا انڈہ رحم کے اندرونی حصے میں اپنی خاص غیر ہموار سطح کے ذریعے چپٹا ہوتا ہے۔انڈے کی سطح پر چھوٹے چھوٹے ابھار بڑھ کر ماں کے رحم کے اندر پودوں کی جڑوں کی زمین میں پھیلاؤ کی طرح گہرے چلے جاتے ہیں۔زائی گوٹ ماں کے جسم میں خارج ہونے والے ہارمونز کے اثر سے بڑھنے لگتا ہے۔وہ ماں کی مہیا کردہ غذا حاصل کرتا رہتا ہے۔

وقت کے ساتھ' خلیے تعداد میں دو چار آٹھ سولہ کے حساب سے بڑھنے لگتے ہیں۔شروع میں پرانے خلیوں کی تقسیم سے بننے والے تمام

نئے خلیے ایک جیسی خصوصیات رکھتے ہیں۔ پھر اچانک نئے بننے والے خلیوں میں تفریق ہونے لگتی ہے اور وہ علیحدہ خصوصیات دکھانے لگتے ہیں کیونکہ اب وہ جنین کے مختلف اعضاء بنائیں گے۔ آج کل کی سائنس اب تک اس سوال کا خاطر خواہ جواب دینے کی قابلیت نہیں رکھتی کہ خلیوں کی یہ تفریق کیوں اور کیسے عمل میں آتی ہے اور اتنی کمال ترتیب سے کیسے مختلف اعضاء بنتے ہیں۔

کچھ وقت گزرنے کے بعد جیلی نما جنین میں یک لخت سخت تبدیلی آتی ہے۔ نرم ساخت کے اندر حیرت انگیز طور پر بالکل ٹھیک جگہوں پر نسبتاً ناہموار ہڈیاں بننا شروع ہو جاتی ہیں۔ یہاں پر جو چیز تعجب خیز ہے وہ یہ کہ وہ خلیے جو شروع میں بالکل یکساں خصوصیات کے حامل ہوتے ہیں، تفریق کے عمل سے گزرنے کے بعد کچھ آنکھ کے خلیے بن جاتے ہیں جو روشنی کو حساس ہوتے ہیں، دوسرے اعصابی خلیے بن جاتے ہیں جن میں کچھ حرارت کو بھانپنے والے اور کچھ آوازوں کی لرزش کو جانچنے والے بن جاتے ہیں۔ آخر کار جنین کی ساخت تکمیل کو پہنچ جاتی ہے اور دنیا میں ایک نیا بچہ جنم لیتا ہے۔ اس مرحلے پر اپنی ابتدائی حالت یعنی ایک بارآور شدہ انڈے سے سو ملین گنا بڑا اور چھ بلین گنا وزنی ہوتا ہے۔

اوپر بیان کردہ یہ مختصر تاریخ ہم سے متعلق ہے کیونکہ یہ کہانی ہے کہ ہم کیونکر وجود میں آئے۔ ہمارے لئے ہمارے وجود کے اس عظیم، غیر معمولی اور پیچیدہ کارنامے کی اصل علت اور حقیقی مالک کو پانے سے زیادہ کیا چیز اہم ہو سکتی ہے؟

جب ہم اس مختصر تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں بہت سے دوسرے سوالوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے جن کا جواب سائنس جو مادیت کے زیر اثر ہے تا حال جواب دینے سے قاصر ہے۔ لیکن اب بھی بہت سے سوالات ایسے ہیں جو جواب طلب ہیں ان میں سے ایک یہ کہ ایک ہی ساخت کے خلیے تقسیم ہوتے ہوئے جسم کے مختلف اعضاء بنانے کے لئے کیونکر گروہوں کی شکل میں اکٹھا ہونا شروع ہوتے ہیں؟

درحقیقت ان تمام سوالوں کا ایک خالق کی موجودگی کے بغیر جواب ہی نہیں ہے۔ یہ سوچنا ایک بہت بڑی غلطی ہوگی کہ یہ سب پیچیدہ طریق عمل خود بخود یا حادثاتی طور پر چل رہا ہے۔ خلیے کیسے متفق ہو جاتے ہیں کہ وہ انسانی اعضاء بنائیں گے۔ آیئے اس بارے میں مزید سوچتے ہیں۔ فرض کیجئے دو عقل مند اشخاص ملتے ہیں اور ایک تعمیری منصوبے پر کام کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ ان دونوں کے مابین بھی کچھ غلط فہمیوں کا پیدا ہونا ناگزیر ہے اور اس طرح منصوبے کی کامیابی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ پھر یہ کیسے ہوتا ہے کہ ہزاروں، کروڑوں خلیے مل کر بغیر کسی حادثے کے کمال نظم وضبط کے ساتھ اکٹھے کام کرتے ہیں۔ کس کی یہ جرات ہے کہ وہ اس سوال کا یہ جواب دے ''یہ حادثاتی طور پر ہونا ممکن ہے'' آج کل کے کچھ دہرے سائنس دان اس عظیم واقعے کو 'قدرت کا جادو' قرار دیتے ہیں۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ قدرت کون اور کیا ہے؟ کیا قدرت بھی تخلیق نہیں کی گئی؟

اس سوال کا جواب دینے کی ایک اور کوشش اسے ماں اور باپ کی طرف منسوب کر کے کی جا سکتی ہے جو کہ بے معنی ہوگی۔ والدین کا کردار اس میں درحقیقت نہ ہونے کے برابر ہے۔ ماں اور باپ میں سے کوئی نہیں جانتا کہ ان کے اندر جنسی خلیے بننے، بارآور ہونے اور جنین کی نشوونما کے عمل میں کیا کیا ہوتا ہے۔ ماں، جس کو عمل ولادت پر کوئی کنٹرول نہیں وہ بچے کی حتمی تاریخ پیدائش کے بارے میں بھی نہیں جانتی۔ اس کے باوجود ماں اور باپ کو ایک زندگی کی ابتداء کرنے والوں کے طور پر دیکھا جاتا ہے لیکن کیا وہ واقعی ہیں؟ ماں اور باپ بچے کے لئے انتہائی اہم ہیں کیونکہ وہ اس کو وجود میں لانے میں کردار ادا کرتے ہیں اس کے برعکس کوئی اپنے حقیقی اور اصلی خالق کے بارے میں کبھی نہیں سوچتا یا بہت کم غور کرتا ہے۔

کیا خالق حقیقی جو اصل قوت کا مالک ہے اور جو ہماری ہر چیز پیدائش، زندگی، موت پر قدرت رکھتا ہے، زیادہ محبت اور عزت کے قابل نہیں؟ اس کا وجود ظاہر ہے اس کے بغیر کسی چیز کا وجود ممکن نہیں۔ اللہ کے سوا کوئی نہیں جو کسی کو یا کسی مادہ کو خود سے تخلیق کر سکے جبکہ اللہ وہ ذات ہے کہ نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا جیسا کہ سورۃ الاخلاص کی تیسری آیت میں بیان کیا گیا:

قرآن پاک میں تخلیق کو یوں بیان فرمایا گیا:

**"ہم نے انسان کو مٹی کے ست سے بنایا' پھر اسے ایک محفوظ جگہ ٹپکی ہوئی بوند میں تبدیل کیا' پھر اس بوند کو لوتھڑے کی شکل دی' پھر لوتھڑے کو بوٹی بنا دیا' پھر بوٹی کی ہڈیاں بنائیں' پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا' پھر اسے ایک دوسری ہی مخلوق بنا کھڑا کیا۔ پس بڑا ہی بابرکت ہے اللہ' سب کاریگروں سے اچھا کریگر۔" (المومنون 12-14)**

اس وضاحت کے بعد یہ ظاہر ہے کہ ہمارے اور کہانی میں بیان کردہ شخص میں کوئی فرق نہیں جو چانک وجود میں آ کر اپنے اور گردوپیش کی چیزوں کے خالق کو جاننے کا مشتاق تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نے اپنے آپ کو قدرے بڑا پایا تھا اور بغیر والدین کے کہ جنہوں نے اسے جنم دیا ہو اور پرورش کی ہو۔ لیکن اب جبکہ ہم جانتے ہیں کہ ہمارے وجود میں آنے کو صرف والدین سے منسوب نہیں کیا جا سکتا' ہم اپنی حالت' کہانی میں بیان کردہ شخص جیسی سمجھ سکتے ہیں۔

ایسی صورتحال میں کرنے کی سب سے اہم چیز خالص حق کی تلاش ہے۔ ان لوگوں کی سننا جو علم رکھتے اور سچائی کے بارے میں گواہی رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں اور پھر اس پر غور وفکر کرنا جو ہمیں بتایا گیا ہے۔

کہانی والے آدمی کو دوبارہ دیکھیے جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ وہ شہر کے کچھ لوگوں سے ملتا ہے جو اسے بتاتے ہیں کہ وہ اسے اس کے خالق اور گردوپیش کی ہر چیز کے خالق کا تعارف کروا سکتے ہیں اور اس کی طرف سے کتاب بھی ہے۔

آپ کے خیال میں اس کا رویہ کیا ہوگا؟ کیا وہ ان کی بات پر توجہ کرے گا یا ان سے منہ پھیر لے گا اور روزمرہ کے عام سوالات کو ترجیح دے گا جیسے میں آج شام کیا پہنوں گا؟ یا میں اسے کیا کہوں گا؟ وغیرہ۔ یہ ہر روز دہرائے جاتے ہیں اور ایک دن جب اس کی موت آ جائے گی تو یہ سب بے معنی ہو جائیں گے۔ ان دونوں میں کون سا انتخاب معقول' صحیح اور دیانت دارانہ ہے؟ آپ یقیناً اس آدمی کے بارے میں صحیح جواب جانتے ہیں لیکن آپ کا اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟

جو مراحل تخلیق کے عمل تک لے جاتے ہیں ان کے بارے میں قرآن کی دوسری آیات میں یوں بیان کیا گیا ہے:

**"کیا انسان نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ یونہی مہمل چھوڑ دیا جائے گا؟ کیا وہ ایک حقیر پانی کا نطفہ نہ تھا جو (رحم مادر) میں ٹپکایا جاتا ہے؟ پھر وہ ایک لوتھڑا بنا' پھر اللہ نے اس کا جسم بنایا اور اس کے اعضاء درست کئے' پھر اس سے مرد اور عورت کی دو قسمیں بنائیں۔ کیا وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ مرنے والوں کو پھر سے زندہ کرے؟" (القیامۃ 36-40)**

**"اللہ نے تم کو مٹی سے پیدا کیا' پھر نطفہ سے' پھر تمہارے جوڑے بنا دیئے (یعنی مرد و عورت) کوئی عورت حاملہ نہیں ہوتی اور نہ بچہ جنتی ہے مگر یہ سب کچھ اللہ کے علم میں ہوتا ہے۔ کوئی عمر پانے والا عمر نہیں پاتا اور نہ کسی کی عمر میں کچھ کمی ہوتی ہے مگر یہ سب کچھ ایک کتاب میں لکھا ہوتا ہے۔ اللہ کے لئے یہ بہت آسان کام ہے۔" (فاطر 11)**

انسان کو اللہ تعالیٰ نے تخلیق کیا ہے اور مخلوق ہونے کے ناطے وہ اس حقیقت کو بدل نہیں سکتا۔ وہ اپنی موجودگی کی اور کوئی توجیہ نہیں

کر سکتا۔ چونکہ وہ تخلیق کیا گیا ہے اس لئے اسے بے قابو اور غیر ذمہ دار حیثیت میں چھوڑا نہیں جا سکتا۔ جیسا کہ اوپر کی آیات میں زور دیا گیا ہے یقینا اس کی تخلیق کا ایک مقصد ہے۔ پھر وہ کہاں جواب تلاش کرے؟ اس سوال کا ایک ہی جواب ہے اور وہ اللہ کی کتاب میں ہے جو اس کی طرف بھیجی گئی ہے۔

# قرآن پر غور و فکر کرنا:

**"ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے پھر کیوں تصدیق نہیں کرتے؟ کبھی تم نے غور کیا۔ یہ نطفہ جو تم ڈالتے ہو اس سے بچہ تم بناتے ہو یا اس کے بنانے والے ہم ہیں؟ ہم نے تمہارے درمیان موت کو تقسیم کیا ہے اور ہم اس سے عاجز نہیں ہیں کہ تمہاری شکلیں بدل دیں اور کسی ایسی شکل میں تمہیں پیدا کردیں جس کو تم نہیں جانتے۔ اپنی پہلی پیدائش کو تو تم جانتے ہی ہو' پھر کیوں سبق نہیں لیتے؟**

**کبھی تم نے سوچا' یہ بیج جو تم بوتے ہو' ان سے کھیتیاں تم اگاتے ہو یا ان کے اگانے والے ہم ہیں؟ ہم چاہیں تو ان کھیتیوں کو بھس بنا کر رکھ دیں اور تم طرح طرح کی باتیں بناتے رہ جاؤ کہ ہم پر تو الٹی چٹی پڑ گئی' بلکہ ہمارے تو نصیب ہی پھوٹے ہوئے ہیں۔ کبھی تم نے آنکھیں کھول کر دیکھا' یہ پانی جو تم پیتے ہو' اسے تم نے بادل سے برسایا ہے یا اس کے برسانے والے ہیں؟ ہم چاہیں تو اسے سخت کھاری بنا کر رکھ دیں پھر کیوں تم شکر گزار نہیں ہوتے؟**

**کبھی تم نے خیال کیا' یہ آگ جو تم سلگاتے ہو' اس کا درخت تم نے پیدا کیا ہے' یا اس کے پیدا کرنے والے ہم ہیں؟ ہم نے اس کو یاد دھانی کا ذریعہ اور حاجت مندوں کے لئے سامان زیست بنایا ہے۔**

**پس اے نبیؐ اپنے رب عظیم کے نام کی تسبیح کرو۔**

**پس نہیں میں قسم کھاتا ہوں تاروں کے مواقع کی' اور اگر تم سمجھو تو یہ بہت بڑی قسم ہے' کہ یہ ایک بلند پایہ قرآن ہے' ایک محفوظ کتاب میں ثبت' جسے مطہرین کے سوا کوئی نہیں چھو سکتا۔ یہ رب العالمین کا نازل کردہ ہے۔ پھر کیا اس کلام کے ساتھ تم بے اعتنائی برتتے ہو۔" (الواقعہ 57-81)**

آپ قرآن کے بارے میں کیا جانتے ہیں؟

شرق وسطیٰ کے اکثر ممالک جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں وہاں جو لوگ عام شہری سمجھے جاتے ہیں وہ اس کا یہ جواب دیں گے "قرآن ہمارے مذہب کی مقدس کتاب ہے" لیکن وہ قرآن کے مواد کے بارے میں بہت کم جانتے ہیں کہ ان کے ورقوں میں کیا لکھا ہے۔ درحقیقت قرآن کو بہت سے مقاصد کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جو اس کے نزول کے اصل مقصد سے بہت دور چلے ہوئے ہیں۔ اس کو اکثر گھر کی

دیواروں پر سجاوٹی غلاف میں لٹکایا جاتا ہے اور بڑے بوڑھے اسے وقتاً فوقتاً پڑھتے ہیں۔ ایسے لوگ عربی زبان میں پڑھتے ہیں لیکن جیسا کہ وہ صرف عربی حروف پڑھنا جانتے ہیں لیکن اس کا معنی نہیں جانتے۔ بسا اوقات جو کچھ وہ پڑھتے ہیں اس کے بارے میں وہ کچھ نہیں جانتے اور یوں قرآن کے اصل مواد تک ان کی کوئی رسائی نہیں۔

قرآن سے لوگوں کو بہت دلچسپ فوائد مہیا ہونے کی توقعات ہوتی ہیں۔ اس کو پڑھنے کے بعد اور کسی دوسرے شخص کے چہرے پر زور سے پھونکنے جیسی بے ہودہ رسومات ادا کر کے پڑھنے والے اور اس کے قریبی رشتہ دار کسی ممکنہ حادثہ یا بدقسمتی سے محفوظ تصور کیے جاتے ہیں۔ قرآن کو ایک قسم کا تعویذ تصور کیا جاتا ہے جو کچھ طلسماتی الفاظ پر مشتمل ہے اور جو لوگوں کو بدقسمتی سے محفوظ رکھتا ہے۔ قرآن کو خوف زدہ کرنے والی طاقت بھی تصور کیا جاتا ہے یہ جھوٹ بولنے پر لوگوں کو سزا دیتا ہے۔ قبرستانوں میں یہ مردوں کے لئے بغیر ان کا مطلب جانے پڑھا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ یہ قسمت کا حال معلوم کرنے کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔

مختصراً مسلم اکثریت والے ممالک میں سے زیادہ تر ملکوں میں صرف چند فیصد لوگ قرآن کا مفہوم سمجھتے اور اس میں تدبر کرتے ہیں جیسا کہ حق ہے۔ نتیجتاً وہ لوگ جو قرآن کے اصل پیغام سے نابلد ہیں وہ اس کو مختلف معنی پہناتے ہیں۔ بہت سے لوگ کچھ روایات کا منبع قرآن کو مانتے ہیں اگرچہ وہ قرآن کے پیغام کے برعکس ہوں۔ مثال کے طور پر بہت سے لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ نیلا موتی جو کہ شیطانی نظر کو بھگانے کی طاقت رکھتا ہے، قرآن کا تجویز کردہ ہے وغیرہ۔ پھر قرآن کی اصل حقیقت کیا ہے؟ اس کا جواب قرآن ہی سے لینا چاہئے کیونکہ اصل سچائی یہیں سے مل سکتی ہے۔

**"یہ ایک پیغام ہے سب انسانوں کے لئے ' اور یہ بھیجا گیا ہے اس لئے کہ ان کو اس کے ذریعے سے خبردار کردیا جائے اور وہ جان لیں کہ حقیقت میں خدا بس ایک ہی ہے اور جو عقل رکھتے ہیں وہ ہوش میں آجائیں۔" (ابراهیم 52)**

**"ہم نے اس قرآن کو نصیحت کے لئے آسان ذریعہ بنا دیا ہے ' اب ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟" (القمر 32)**

**"اگلے لوگوں کے ان قصوں میں عقل و ہوش رکھنے والوں کے لئے عبرت ہے۔ یہ جو کچھ قرآن میں بیان کیا جارہا ہے یہ بناوٹی باتیں نہیں ہیں بلکہ جو کتابیں اس سے پہلے آئی ہوئی ہیں انہی کی تصدیق ہے اور ہر چیز کی تفصیل اور ایمان لانے والوں کے لئے ہدایت اور رحمت۔" (یوسف 111)**

**"یہ اللہ کی کتاب ہے ' اس میں کوئی شک نہیں ہدایت ہے متقین کے لئے۔" (البقرة 2)**

یہ اور اسی طرح کی بہت سی دوسری آیات اس بات پر زور دیتی ہیں کہ قرآن کے نزول کا اصل مقصد لوگوں کو اہم معاملات میں غور و فکر کرنے کی ترغیب دینا ہے جیسے تخلیق اور زندگی کا مقصد' اللہ تعالیٰ جس نے ان کو پیدا کیا' اس کے بارے میں جاننا اور ان کی سیدھے رستے کی طرف رہنمائی کرنا' قرآن ایک ایسی کتاب ہے جو کھلے دل اور روح والے لوگوں کی ضرورت ہے۔

بڑے پیمانے پر ادا کی جانے والی بہت سی رسومات جن کے بارے میں یہ عقیدہ رکھا جاتا ہے کہ ان کا ماخذ قرآن ہے' درحقیقت قرآن

سے نہیں ہیں اس کے برعکس وہ قرآن کے پیغام سے ٹکراتی ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن میں بیان کردہ اصل دین اور عمومی طور پر پایا جانے والے مذہبی تصور میں حد درجہ فرق ہے۔ یہ تفاوت اصل منبع قرآن کو چھوڑ دینے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے اس کے بارے میں قرآن کہتا ہے:

**"اور رسولؐ کہیں گے 'اے میرے رب میری قوم کے لوگوں نے اس قرآن کو نشانہ تضحیک بنا لیا تھا" (الفرقان 30)**

اس لئے سب سے پہلی ضرورت اس بات کی ہے کہ قرآن کے بارے میں یہ غلط نقطہ نظر صحیح کیا جائے اور لوگوں کو یہ سمجھانے کی کوشش کی جائے کہ قرآن صرف نبیؐ ہی کو خطاب نہیں کرتا بلکہ سب لوگوں کو کرتا ہے جو اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ ہر وہ شخص جو یہ جاننے پہچاننے الفاظ منہ سے نکالتا ہے "الحمدللہ میں مسلمان ہوں۔" اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ آیات کا مطلب سمجھنے کی کوشش کرے۔ قرآن میں آیات کی تلاوت اور ان کو سمجھنے کی اہمیت پر بہت زور دیا گیا ہے۔

**"یاد رکھو اللہ کی آیات اور حکمت کی ان باتوں کو جو تمہارے گھروں میں سنائی جاتی ہیں بے شک اللہ لطیف اور باخبر ہے۔" (الاحزاب 34)**

قرآن میں جو حکم دیا گیا ہے' اسے نہ کرنے اور قرآن کے اصل ذرائع سے دین نہ سیکھنے کی وجہ سے دین میں بیش بہا تعصبات جو روایات سے جنم لیتے ہیں' داخل کر دیئے گئے ہیں۔ قرآن کی آیات اس بات پر بہت زور دیتی ہیں کہ دین سمجھنے کے لئے قرآن کے علاوہ کسی اور ذریعے کو دیکھنے کی ضرورت نہیں۔

**"تو کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور فیصلہ کرنے والا تلاش کروں' حالانکہ اس نے پوری تفصیل کے ساتھ تمہاری طرف کتاب نازل کردی ہے؟ اور جن لوگوں کو ہم نے (تم سے پہلے) کتاب دی تھی وہ جانتے ہیں کہ یہ کتاب تمہارے رب ہی کی طرف سے حق کے ساتھ نازل ہوئی ہے لہذا تم شک کرنے والوں میں شامل نہ ہو۔" (الانعام 114)**

**"تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ کیسے حکم لگا رہے ہو؟ کیا تمہیں ہوش نہیں آتا؟ یا پھر تمہارے پاس اپنی ان باتوں کے لیے کوئی صاف سند ہے' تو لاؤ اپنی وہ کتاب اگر تم سچے ہو۔" الصفت (154-157)**

بے شک قرآن کو سیکھنا صرف ابتدائی قدم ہے کیونکہ اس کے بعد اس پر عمل کرنا ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ قرآن صرف ساتویں صدی کے مسلمانوں کو خطاب کرتا ہے اور کچھ دوسرے یہ سوچتے ہیں کہ صرف چند آیات ساتویں صدی کے مسلمانوں کے علاوہ دوسرے لوگوں سے مخاطب ہیں۔ اس قسم کی ذہنیت قرآن کو بس پڑھ لینے سے مطمئن ہو جاتی ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ ایسا کرنے سے اس نے مذہبی فریضہ انجام دے دیا' حالانکہ معاملہ صرف قرآن کو صرف سیکھ لینا ہی نہیں بلکہ اس کو عمل میں لانا' قرآن میں بیان کردہ فرائض کو پورا کرنا' قرآن میں بیان کردہ اخلاقی معیار کو اپنانا' مختصراً یہ کہ قرآن کو اپنی روزمرہ زندگی میں نافذ کرنا ہے۔

جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ قرآن پرانا ہو گیا ہے اور نئے دور کے مطابق اس پر نظر ثانی ہونی چاہئے وہ اس حقیقت کا ادراک نہیں کر سکتے کہ قرآن وقت کی زنجیروں میں قید نہیں بلکہ یہ تمام زمانوں اور تمام معاشروں پر محیط ہے کیونکہ یہ اللہ کا نازل کردہ ہے' جو ہر چیز' ماضی اور مستقبل کا علم رکھتا ہے۔ جب کوئی شخص مخلص دل اور کھلے دماغ سے قرآن پڑھتا ہے وہ یہ دیکھ سکتا ہے کہ قرآن میں بیان کردہ لوگوں اور معاشروں

کے نمونے تاریخ کے ہر دور حتیٰ کہ آج کل بھی موجود ہیں اور یہ کہ قرآن لوگوں اور معاشروں کی موجودہ حالت کا تذکرہ کرتا ہے۔قرآن میں ہر اس معاشرے کے فساد، بگاڑ اور غلطیوں کا تذکرہ واضح طور پر بیان کیا گیا ہے جو مذہبی اقدار سے ہٹا ہوا ہے۔ان معاشروں کے لوگوں کا مذہب کے متعلق ردعمل مکمل تحلیل نفسی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔یہ واقعات اور تجزیے آج کی دنیا سے مکمل مناسبت رکھتے ہیں اور یوں قرآن کے معاشرتی معجزے کا اظہار کرتے ہیں۔

یہاں دلچسپ بات یہ ہے کہ ایسے بے ربط نظریات کہ ''معاشرہ تو مسلسل ترقی پذیر ہے جبکہ مذہب ساکن ہے'' قرآن نے تشخیص کرتے ہوئے بتایا ہے کہ یہ فہم و ادراک کی کمی کے باعث ہے۔ہمیں یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہئے کہ ہزاروں سال پہلے رہنے والے کافر بھی مذہب کو پرانے لوگوں کی کہانیاں گردانتے تھے۔

جب ایک شخص قرآن پڑھنا شروع کرتا ہے اور اسے اپنی روزمرہ زندگی میں اپنا لیتا ہے تو وہ قرآنی آیات میں بیان کردہ سچا مسلمان بننے کی راہ پر چلنے والا سمجھا جائے گا۔وہ تعجب کے ساتھ دیکھنا شروع کرے گا کہ کس طرح قرآن اس کی زندگی کے ہر لمحے پر پورا اترتا ہے۔قرآن میں ان بہت سے واقعات کا ذکر ہے جس کا ایک انسان تجربہ کرتا ہے اور ایسے مواقع پر ایک مسلمان کا متوقع کردار بھی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

قرآن کو صرف بغیر عمل کئے پڑھ لینے اور جان لینے پر مطمئن ہو جانے کے کئی ناخوشگوار نتائج ہو سکتے ہیں۔اللہ تعالیٰ یہودیوں کو ایسے لوگوں کی طرح بیان فرماتے ہیں جن کا یہی طرز عمل تھا اور ان کو ایک گدھے سے تشبیہ دیتے ہیں جس پر کتابوں کا بوجھ لدا ہوا اور ان کی کچھ سمجھ نہ ہو۔

**''جن لوگوں کو توراۃ کا حامل بنایا گیا تھا مگر انہوں نے اس کا بار نہ اٹھایا'**
**ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جس پر کتابیں لدی ہوئی ہوں۔ اس سے**
**بھی زیادہ بری مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلا دیا**
**ہے اور اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔'' (الجمعۃ 5)**

# مذہب جیسا کہ قرآن میں بیان کیا گیا اور ہمارے آباؤاجداد کا مذہب:

**"اور وہ لوگ جب کوئی فحش کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طریق پر پایا ہے اور اللہ نے بھی ہم کو یہی بتایا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ فحش بات کی تعلیم نہیں دیتا' کیا اللہ کے ذمہ ایسی بات لگاتے ہو جس کی تم سند نہیں رکھتے؟" (الاعراف 28)**

قرآن کو چھوڑ کر اصل دین کا وجود ایک ناممکن تصور ہے اس لئے قرآن کے دین اور ان روایات میں جن کو غلطی سے اصل دین کا حصہ سمجھ لیا گیا ہے' واضح تفریق ہونی چاہیے۔

دین یا عقیدے کا تصور خاص توجہ مانگتا ہے۔ دین یعنی اسلام سیدھا اور خالص قرآن کا نفاذ ہے جس کو دین سمجھا جاتا ہے وہ ہمارے آباؤ اجداد کی دی ہوئی روایات کا سلسلہ ہے جو یقیناً اسلام نہیں ہے۔ آج کل بہت سے لوگ اپنے آپ کو مذہبی تصور کرتے ہیں حالانکہ وہ قرآن کے بارے میں کچھ خاص نہیں جانتے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ صورتحال کس قدر بگڑ گئی ہے۔ دین کا تصور ہمارے آباؤاجداد سے ملے ہوئے ورثے کے طور پر رہ سکتا ہے لیکن ایسے ورثے کو برقرار رکھنا اللہ کی نظر میں کوئی وقعت نہیں رکھتا۔

بہت سے معاشروں میں جہاں لوگ بدھا کو ماننے والے ہوں' یہودی ہوں یا بت پرست جو افریقی قبیلے میں رہتے ہوں اور بتوں کو پوجتے ہوں' وہ سب جو کچھ کرتے ہیں وہ اصل میں روایتی معاملہ ہے۔ اس لئے اس کا کوئی عمل بھی اصل دین نہیں سمجھا جا سکتا۔ ان "مذاہب" کی پیروی کرنے والے اکثر لوگوں کا مقصد اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا نہیں ہوتا بلکہ معاشرے کے موافق زندگی گزارنا' اپنی روایات کو زندہ رکھ کر' فرقت وطن کی اپنی بیماری کو مطمئن کرنا اور مذہب سے اپنے ذاتی فوائد حاصل کرنا ہوتا ہے۔

اکثر لوگوں نے دین کا تصور اس کے اصل ذرائع کو دیکھ کر نہیں بلکہ اپنے آباؤاجداد کو دیکھ کر بنایا ہے۔ اس لئے مذہب کے بارے میں ان کے تصور کی روایات' درحقیقت روایات کے بارے میں ان کا تصور ہے۔

جہاں تک روایات کا تعلق ہے اس کا بہت بڑا ذخیرہ ہے جس میں بہت سے بے معنی توہمات' بزرگوں کے بارے میں گھڑی ہوئی کہانیاں' پیغمبروں اور اولیاء کی طرف منسوب جھوٹے اقوال اور اعمال' مافوق الفطرت واقعات کی غیر معقول وضاحتیں' ان سب کو اصل دین سمجھ لیا گیا ہے۔ درحقیقت بہت سے لوگ جو یہ روایات اپنے خاندان اور معاشرے سے سیکھتے ہیں جہاں وہ رہتے ہیں' سمجھتے ہیں کہ ان روایات کی بنیاد ناقابل اعتبار ہے اور بے شمار باطل دلائل سے بھری پڑی ہے لیکن چونکہ وہ اپنے آپ کو حق کی تلاش اور دین کی اصل حقیقت کے بارے میں جاننے کی کوشش میں ڈالنا نہیں چاہتے' اس لئے وہ یا تو دین کو ویسے ہی تسلیم کر لیتے ہیں جیسا کہ ہے یا پھر جیسے شروع میں ہم نے ذکر کیا کہ وہ اس سے ممکن حد تک دور رہتے ہیں۔ دراصل' اصل دین کی طرف منسوب شدہ باطل دلائل ہی ان کے دین سے فرار کے عذر کا راستہ صاف کرتے ہیں۔

اس لئے اصل دین کی حقیقت سمجھنے کے لئے سب سے پہلی چیز جو ہمیں کرنا ہے وہ یہ کہ قرآن کی طرف دین کے بنیادی ذریعہ کے طور پر رجوع کرنا ہے۔ اس کو سمجھنا مشکل نہیں۔ ہمیں یہ حقیقت ذہن میں رکھنی چاہیے کہ کافر بھی جب اسلام کے بارے میں کچھ جاننا چاہتے ہیں تو قرآن کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ کیا آپ قرآن کے علاوہ دین کے کسی اور بہتر بنیادی سرچشمے کی طرف رجوع کا سوچ سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے مقدس نظام کو واضح کرنے کے لئے نازل کیا گیا ہو؟ بے شک کچھ اور حوالہ جات کو بھی اہمیت دی جانی چاہیے لیکن یہ نہ بھولیں کہ ان کا حقیقی مقام قرآن کی تائید اور دین کو سمجھنے کی ہماری کوشش میں ہمارا اس کی طرف رجوع کرنا ہے۔ وہ لوگ جو قرآن کے بجائے' توہمات پر دین کی

بنیاد رکھتے ہیں ان کا تذکرہ قرآن میں ناپسندیدگی سے کیا گیا ہے۔

**”تمہیں کیا ہو گیا ہے‘ کیسے فیصلے کر رہے ہو؟ کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں تم پڑھتے ہو؟“ (القلم 36-37)**

دین ایک مسلمان کے لئے سب سے اہم موضوع ہونا چاہئے۔ اسے علم ہونا چاہئے کہ وہ سچے دین اور دوسرے نظام میں فرق کر سکے اور صحیح دین کو حاصل کرنے کی تڑپ کو اپنا فرض سمجھنا چاہئے۔

**”.......... پس جو فرمانبردار ہو گئے انہوں نے تو راہ راست کا قصد کیا۔“**

**(الجن 14)**

# سچے مومن اور بہروپیے :

**"پوچھئے تو سہی کہ زمین اور اس کی کل چیزیں کس کی ہیں؟ بتلاؤ اگر جانتے ہو؟ فوراً جواب دیں گے کہ اللہ کی' کہہ دیجئے کہ پھر تم نصیحت کیوں نہیں حاصل کرتے؟ دریافت کیجئے کہ ساتوں آسمانوں کا اور بہت باعظمت عرش کا رب کون ہے؟ وہ لوگ جواب دیں گے کہ اللہ ہی ہے۔ کہہ دیجئے کہ پھر تم کیوں نہیں ڈرتے؟ پوچھئے کہ تمام چیزوں کا اختیار کس کے ہاتھ میں ہے؟ جو پناہ دیتا ہے اور جس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دیا جاتا' اگر تم جانتے ہو تو بتلادو؟ یہی جواب دیں گے کہ اللہ ہی ہے۔ کہہ دیجئے پھر تم کدھر سے جادو کر دیئے جاتے ہو؟ حق یہ ہے کہ ہم نے انہیں حق پہنچا دیا ہے اور یہ بے شک جھوٹے ہیں۔" (المومنون 84-90)**

آیئے ہم شروع میں دی گئی اپنی مثال کی طرف چلتے ہیں۔ہم نے شہر میں لوگوں کے ایک گروہ کا ذکر کیا تھا جو دوسروں سے ہر لحاظ سے بہت مختلف تھے اور جن کے ساتھ شہر والوں کا رویہ معاندانہ تھا۔ہم نے یہ بھی واضح کیا تھا کہ اس گروہ کے پاس ایک کتاب تھی جو شہر اور ہر چیز کے مالک نے رہنما کے طور پر ان کو عطا کی تھی۔ یہ ہیں مومن۔

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ شہر کے دوسرے لوگ ان لوگوں کو پسند نہیں کرتے۔ہم نے یہ بھی ذکر کیا تھا کہ اس شہر کا معاشرہ جاہلی معاشرہ تھا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ معاشرہ بے دین ہے۔اس کے برعکس اس جاہلی معاشرے کے لوگ اپنے آپ کو بہت مذہبی سمجھتے ہیں اگرچہ جس دین سے ان کا تعلق ہے وہ سچا دین نہیں ہے۔یہ روایات کا دین ہے۔ایسا دین جو بے بنیاد حتیٰ کہ گمراہ کن عقائد اور اعمال سے بھرا ہوا ہے۔جن کی بنیاد ان کے آباؤ اجداد کے دین میں ہے۔وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ صحیح دین کی پیروی کر رہے ہیں اور اس کو بضد زندہ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

قرآن اس قسم کی خصوصیات کی طرف اس آیت میں اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

**"اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی اتاری ہوئی وحی کی تابعداری کرو تو کہتے ہیں کہ ہم نے تو جس طریق پر اپنے باپ دادوں کو پایا ہے اس کی تابعداری کریں گے' اگرچہ شیطان ان کے بڑوں کو دوزخ کے عذاب کی طرف بلاتا ہو۔" (لقمٰن 21)**

جاہلی معاشرے کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی روایات کا اللہ کے نام پر دفاع کرتے ہیں۔درحقیقت یہ ایک غیر مخلصانہ دفاع ہے کیونکہ اصل میں انہیں اللہ کی کوئی پرواہ نہیں۔اگرچہ یہ لوگ خصوصاً حکمران اور شہر کے رہنما اللہ کی حمد و ثنا کرتے نہیں تھکتے لیکن اگر مذہب ان کی دلچسپیوں سے ٹکراتا ہے تو فوراً اللہ سے منہ موڑ لیتے ہیں۔اس حد تک کہ پیغمبر کے قتل جیسے گھناؤنے جرم کا ارتکاب کرتے ہوئے اللہ کی قسم کھاتے ہیں۔

**"اس شہر میں نو سردار تھے جو زمین میں فساد پھیلاتے رہتے تھے اور**

**اصلاح نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے آپس میں بڑی قسمیں کھا کھا کر عہد کیا کہ رات ہی کو صالحؑ اور اس کے گھر والوں پر ہم چھاپہ ماریں گے اور اس کے وارثوں سے صاف کہہ دیں گے کہ ہم اس کے اہل کی ہلاکت کے وقت موجود نہ تھے۔ اور ہم بالکل سچے ہیں۔" (النمل 48-49)**

جاہلی معاشرے میں لوگوں کا ایک ایسا گروہ بھی ہے جو قرآن جانتا ہے اور وہ دین پر عمل کرنے کا وعدہ بھی کرتے ہیں لیکن وہ اس دنیا کی رنگینیوں کو ترجیح دیتے ہیں اور دین سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ اس تمام منافقت کے باوجود وہ اپنے آپ کو کامل مسلمان گردانتے ہیں۔

**"پھر ان کے بعد ایسے لوگ ان کے جانشین ہوئے کہ کتاب کو ان سے حاصل کیا وہ اس دنیائے فانی کا مال متاع لے لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہماری ضرور مغفرت ہو جائے گی حالانکہ اگر ان کے پاس ویسا ہی مال متاع آنے لگے تو اس کو بھی لے لیں گے۔ کیا ان سے اس کتاب کے اس مضمون کا عہد نہیں لیا گیا کہ اللہ کی طرف بجز حق بات کے اور کسی بات کی نسبت نہ کریں اور انہوں نے اس کتاب میں جو کچھ تھا اس کو پڑھ لیا اور آخرت والا گھر ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو تقویٰ رکھتے ہیں' پھر کیا تم نہیں سمجھتے؟" (الاعراف 169)**

اس صورت میں یہ سمجھنے کے لئے کہ آیا ایک شخص یا لوگوں کا گروہ حقیقتاً مسلمان ہے یا نہیں' انتہائی محتاط مشاہدے کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ جیسا کہ اوپر کی آیت میں صاف طور پر بیان کیا گیا ہے کہ مذہب کے بارے میں بے لگام گفتگو کرنے والا ضروری نہیں کہ حقیقی مومن ہو۔ ایک شخص سوچ سکتا ہے کہ ایسے لوگ اتنے کم ہیں کہ نہ ہونے کے برابر ہیں' تاہم ایسے لوگ کثرت سے پائے جاتے ہیں اور قرآن کی بہت سی آیات میں ان کا وجود کھلے طور پر بیان ہوا ہے۔

**"بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔ لیکن درحقیقت وہ ایمان والے نہیں ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کو اور ایمان والوں کو دھوکہ دیتے ہیں' لیکن دراصل وہ خود اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں مگر سمجھتے نہیں۔ ان کے دلوں میں بیماری تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بیماری میں مزید بڑھا دیا اور ان کے جھوٹ کی وجہ سے ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔" (البقرۃ 8-10)**

دوسری آیات ہمیں خبردار کرتی ہیں کہ جب یہ بناوٹی مذہبی لوگوں سے کچھ سوال پوچھے جاتے ہیں تو وہ ایک مومن کی زبان میں بات کرتے ہیں۔

**"آپ کہیے کہ وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے یا وہ کون ہے جو کانوں اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے اور وہ کون ہے**

**جو زندہ کو مردہ سے نکالتا ھے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ھے اور وہ کون ھے جو تمام کاموں کی تدبیر کرتا ھے؟ ضرور وہ یہی کہیں گے کہ "اللہ" تو ان سے کہیے کہ پھر کیوں نہیں ڈرتے۔ سو یہ ھے اللہ تعالیٰ جو تمہارا رب حقیقی ھے۔ پھر حق کے بعد اور کیا رہ گیا بجز گمراھی کے' پھر کہاں پھرے جاتے ھو؟" (یونس 31-32)**

**"اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ انہیں کس نے پیدا کیا ھے؟ تو یقیناً یہ جواب دیں گے کہ اللہ نے' پھر یہ کہاں الٹے جاتے ھیں؟" (الزخرف 87)**

یہ سب آیات بتاتی ہیں کہ ایک حقیقی مومن ہونے کا معیار جاہلی معاشرے کے مذہبی معیار سے مختلف ہے۔ جاہلی معاشرے میں جب کوئی شخص کہتا ہے کہ الحمدللہ میں مسلمان ہوں تو اسے سچا مسلمان سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ جب ہم قرآن کے معیار پر غور کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ گواہی کافی نہیں۔ اگلے باب میں ہم ایک سچے مسلمان کی خصوصیات کا تفصیل سے جائزہ لیں گے۔

# ایمان والے جیسا کہ قرآن میں بیان کیے گئے:

**"بس ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ کردیتی ہیں اور وہ لوگ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔" (الانفال 2)**

**"اسی نے تمہیں برگزیدہ بنایا ہے اور تم پر دین کے بارے میں کوئی تنگی نہیں ڈالی' دین اپنے باپ ابراہیمؑ کا قائم رکھو' اسی اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔ اس قرآن سے پہلے اور اس میں بھی۔" (الحج 78)**

**"اور اس سے زیادہ اچھی بات والا کون ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک کام کرے اور کہے کہ میں یقیناً مسلمانوں میں سے ہوں۔" (حٰم السجدۃ 33)**

اسلام کا ایک ہی بنیادی اصول ہے صرف اللہ کی عبادت کرنا۔ اسلامی زندگی میں اس اصول کے عمل میں لانے کو بنیادی حیثیت حاصل ہونی چاہئے۔ دوسری تمام چیزیں جن کی بنیاد یہ اصول نہیں وہ اسلام نہیں بلکہ جاہلیت کے مذہب کی قسم ہیں۔

اختصار سے بیان کی گئی یہ حقیقت بہت گہرا معنی رکھتی ہے جو بہت سے لوگوں کے تصور سے بڑھ کر ہے یہ اس لئے کہ جاہلی معاشرے کے ارکان اپنے آپ کو پہلے ہی مومن سمجھتے ہیں اور اپنے آپ کو اللہ کے علاوہ کسی کی بندگی کرنے والا نہیں سمجھتے اور یہ اس لئے بھی کہ وہ نماز پڑھتے ہوئے اپنے سامنے کوئی بت نہیں رکھتے۔ نماز بھی صرف عیدین اور جمعے کے دن پڑھ کر وہ تصور کرتے ہیں کہ یہ سوچنا ان کا حق ہے کہ وہ صرف اللہ کی عبادت کر رہے ہیں۔ حالانکہ حقیقت حال بالکل مختلف ہے۔ یہ غلط فہمی اس لئے پیدا ہوتی ہے کیونکہ عبادت کو قابل اطاعت ہستی کے آگے صرف سجدہ کرنے پر محمول کرلیا گیا ہے۔ عبادت کا یہ محدود مطلب دوسرے مذہبی فرائض سے کوتاہی اور قرآنی اخلاق اپنانے میں ناکامی کا باعث بنتا ہے حالانکہ عبادت کا اصل مفہوم قرآن ہی سے لیا جانا چاہئے۔ دوسرے الفاظ میں اس کے معنی کو جاہلی معاشرے کی غلط عکاسی کے بجائے قرآن میں اس کی وضاحت کے مطابق سمجھنا چاہئے۔

**"میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے تاکہ وہ میری بندگی کریں۔" (الذریٰت 56)**

جیسا کہ اوپر کی آیت میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ انسان اور جن اللہ کی بندگی کے لئے تخلیق کئے گئے ہیں۔ لازمی بات ہے کہ یہ تعریف مومن کو سزاوار ہے۔ اپنے مقصد تخلیق اور فطرت کے مطابق ایک مومن صرف اللہ کی بندگی کرتا ہے اور جیسا اوپر کی آیت میں بیان ہوا' اللہ کی بندگی کے سوا کچھ نہیں کرتا۔ اگر ہم اس آیت کو جاہلی معاشرے کی سمجھ کے مطابق لیں تو کیا ہم یہ نتیجہ اخذ کریں گے کہ مومن کو اپنی زندگی کے خاتمے تک سجدے میں رہنا پڑے گا۔ کیا ایسا ہوسکتا ہے؟ یقیناً نہیں۔ جب ہم قرآن پر گہری نظر ڈالتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ اللہ کی عبادت میں قرآن کے عائد کردہ تمام فرائض اور ذمہ داریاں نبھانا اور اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے کی گئی تمام سرگرمیاں شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی خدمت اور بندگی کا

حق کیونکر ادا ہو' یہ قرآن کے حوالے سے ہی سمجھا جا سکتا ہے۔

**"کہہ دیجئے بے شک میری نماز' میری قربانی' میرا جینا اور میرا مرنا سب رب العالمین کے لئے ہے۔" (الانعام 162)**

جیسا کہ یہ آیت بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کا اصول صرف نماز تک محدود نہیں ہے بلکہ تمام زندگی حتیٰ کہ موت پر بھی محیط ہے۔ایک مسلمان وہ ہے جو اپنی تمام زندگی اللہ کے راستے میں گزارتا ہے۔اس کے نتیجے میں وہ اللہ کی رضا حاصل کرتا ہے۔اس کی رحمت اور آخرت میں ہیشگی کے باغات۔ایسی چیز جو اسلام سے دور کوئی شخص نہیں سمجھ سکتا۔

دوسری جانب اللہ کی رضا کے علاوہ دوسرے مقاصد میں زندگی بسر کرنا ایسا ہے جیسے اس کے ساتھ شریک ٹھہرانا۔ یہ مقاصد کچھ بھی ہو سکتے ہیں۔یہ دولت' مرتبہ' جائیداد' عورتوں اور بیٹوں کی خواہش ہو سکتی ہے لیکن قرآن میں دیئے گئے اشارے کے مطابق اللہ کی رضا کو کھو دینے کی قیمت پر۔جب کوئی شخص ایسے مقاصد کو اونچا مقام دیتا ہے تو درحقیقت وہ اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے۔یہ کسی انسان کا گناہ عظیم ہے۔ہر دور میں نبیوں نے لوگوں کو اللہ کے ساتھ شریک بنانے سے روکا۔ان لوگوں کا واحد مقصد مختلف دنیاوی فوائد کا حصول ہوتا تھا۔اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے ہم دیکھ سکتے ہیں کہ منطقی مادیت کا دعویٰ کس قدر بے بنیاد ہے جو کہتا ہے کہ شرک سے واحدانیت کا ارتقاء وقت کے ساتھ وقوع پذیر ہوا ہے۔

تاہم قرآن کے مطابق کسی بھی جگہ اور کسی بھی دور میں پائے جانے والے تمام جاہلی معاشرے اللہ کے ساتھ شریک بناتے رہے ہیں۔ اسی لئے آج دنیا کی آبادی کا بیشتر حصہ کسی نہ کسی قسم کے شرکانہ مذہب کے پیروکاروں پر مشتمل ہے۔اس شرک دنیا میں بلا شرکت' صرف سچے مومنوں کے معاشرے ہی ایسے ہیں جو صرف ''اللہ کی عبادت کے دین'' پر عمل پیرا ہیں۔

**"آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! اگر تم میرے دین کی طرف سے شک میں ہو تو میں ان معبودوں کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو' لیکن ہاں اس اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری جان قبض کرتا ہے اور مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ میں ایمان لانے والوں میں سے ہوں۔" (یونس 104)**

اب ایک مومن اللہ کی بندگی کیسے کرے؟ وہ اللہ کے راستے میں اپنی زندگی کیسے گزارے؟ کیا وہ اپنی ساری زندگی درویشی میں گزار دے یا دنیا سے الگ تھلگ سوچ بچار میں جہاں دنیا کی تمام نعمتوں سے حتیٰ کہ زندگی برقرار رکھنے والی چیزوں سے بھی کنارہ کشی کرتے ہوئے سخت مشقتیں اٹھائے یا تنہا انسان کی طرح بے حرکت' مستقل طریقہ زندگی اپنا لے۔نہیں اسے قرآن میں بیان کردہ نمونے کی طرح زندگی گزارنا ہے نہ کہ جاہلانہ من گھڑت مذہب کی تعریف کے مطابق۔چونکہ وہ جانتا ہے کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے اس لئے لوگ اس کے بارے میں کیا سوچتے ہیں۔ اس کی اسے پرواہ نہ ہوگی۔چونکہ وہ جانتا ہے کہ وہ دوسرے لوگوں کے سامنے اپنے آپ کو مذہبی آدمی بن کر دکھانے کا پابند نہیں ہے اس لئے اسے مذہب کی ایسی جھوٹی تعریف جو قرآن کے مطابق نہیں' پورا اترنے کی ضرورت نہیں۔

وہ صرف اللہ کے لئے جیتا ہے اسی کے لئے کام کرتا ہے۔وہ اللہ کے راستے میں اپنی صلاحیتیں اور جسمانی قوت کو استعمال کرنے کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتا۔یہ ایسا راستہ نہیں جو مشکلات سے بھرپور ہو یا ایک شخص کو زندگی کی لذتوں سے محروم کر دے۔یہ اسلام سے نابلد اکثر لوگوں کے عقیدے کے بالکل برعکس ہے۔یقیناً جو شخص اللہ کی بندگی کرتا ہے وہ سب سے زیادہ آزاد' سب سے زیادہ پُرامن اور خوش و خرم ہوتا ہے۔ایک

بار جب وہ ان تمام خداؤں سے جنہوں نے اسے غلام بنا رکھا تھا نجات حاصل کر لیتا ہے تو ایسے سوالات 'لوگ میرے بارے میں کیا سوچتے ہیں؟ میں کیا کروں؟ مجھے فلاں شخص پسند نہیں کرتا 'اگر مجھے نوکری سے نکال دیا تو کیا ہوگا؟ اسے تکلیف نہیں دیتے۔ جب وہ ان نااہل' مجبور' ظالم' نامعقول خداؤں کے ڈالے ہوئے بوجھوں سے نجات حاصل کر لیتا ہے تو وہ اپنے آپ کو صرف ایک ہی خدا کے لئے وقف کر دیتا ہے جو عظیم' حکیم' ہر چیز کا جاننے والا' مہربان' رحم فرمانے والا اور طاقت ور ہے' اس نے یقینا سب سے مضبوط سہارا تھام لیا۔

**"دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں' ہدایت ضلالت سے روشن ہوچکی ہے' اس لئے جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے معبودوں کا انکار کرکے اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا' جو کبھی نہ ٹوٹے گا اور اللہ تعالیٰ سننے والا' جاننے والا ہے۔" (البقرۃ 256)**

قرآن یوں نبی ﷺ کے لوگوں کو ان بیڑیوں اور بوجھوں سے آزاد کرنے کو یوں بیان کرتا ہے۔

**"جو لوگ ایسے رسول ﷺ نبی اُمی کا اتباع کرتے ہیں جن کو وہ لوگ اپنے پاس تورات و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ وہ ان کو نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو حلال بتاتے ہیں اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں۔ سو جو لوگ اس نبی پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی حمایت کرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں جو ان کیساتھ بھیجا گیا ہے' ایسے لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں۔" (الاعراف 157)**

اللہ تعالیٰ مومنوں کی تعریف یوں بیان فرماتے ہیں:

**"بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں' مومن مرد اور مومن عورتیں' فرماں برداری کرنے والے مرد اور فرمانبردار عورتیں' راست باز مرد اور راست باز عورتیں' صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں' عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں' خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں' روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں' اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والیاں' بکثرت اللہ کا ذکر کرنے والے اور ذکر کرنے والیاں۔ ان (سب کے لئے) اللہ تعالیٰ نے (وسیع) مغفرت اور بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے۔ (الاحزاب 35)**

ایک مسلمان کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ بہت قریبی تعلق ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی اس کا رفیق' مددگار اور خدا ہے۔ حضرت ابراہیم کی اللہ سے گہری دوستی' ذیل میں دیئے ان کے باپ اور اپنی قوم کے ساتھ مکالمے میں قرآن میں تفصیل سے بیان ہوئی ہے۔

**"آپ نے فرمایا کچھ خبر بھی ہے جنہیں تم پوج رہے ہو؟ تم اور تمہارے اگلے باپ دادا' وہ سب میرے دشمن ہیں۔ بجز سچے اللہ تعالیٰ کے جو تمام جہان کا پالنہار ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور وہی میری رہبری فرماتا ہے۔ وہی ہے جو مجھے کھلاتا پلاتا ہے اور جب میں بیمار پڑ جاؤں تو مجھے شفا عطا فرماتا ہے اور وہی مجھے مار ڈالے گا پھر زندہ کر دے گا اور جس سے امید بندھی ہوئی ہے کہ وہ روز جزا میں میرے گناہوں کو بخش دے گا۔ اے میرے رب! مجھے قوت فیصلہ عطا فرما اور مجھے نیک لوگوں میں ملا دے اور میرا ذکر خیر پچھلے لوگوں میں بھی باقی رکھ۔ مجھے نعمتوں والی جنت کے وارثوں میں سے بنا دے اور میرے باپ کو بخش دے یقیناً وہ گمراہوں میں سے تھا اور جس دن کہ لوگ دوبارہ جلائے جائیں مجھے رسوا نہ کر جس دن کہ مال اور اولاد کچھ کام نہ آئے گی۔" (الشعراء 75-88)**

وہ شخص جو صرف اللہ کی غلامی میں راحت محسوس کرتا ہے اور وہ جو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے اور یوں بہت سے خداؤں کا غلام ہے' دونوں کے درمیان فرق کی مثال قرآن میں یوں دی گئی ہے:

**"اللہ تعالیٰ مثال بیان فرما رہا ہے ایک وہ شخص جس میں بہت سے باہم ضد رکھنے والے ساجھی ہیں اور دوسرا وہ شخص جو صرف ایک ہی کا غلام ہے' کیا یہ دونوں صفت میں یکساں ہیں' اللہ تعالیٰ ہی کے لئے سب تعریف ہے۔ بات یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ سمجھتے نہیں۔" (الزمر 29)**

مومن کی سب سے اہم خصوصیت غرور وتکبر سے بچنا ہوتی ہے۔ ایک سچا مومن کبھی اپنے کو خدا نہیں سمجھتا۔ وہ اپنی خامیوں کو جانتا ہے اور اللہ سے معافی چاہتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اسے اپنے ہر عمل اور زندگی کے ہر شعبے میں اللہ کی پناہ مانگنے کی ضرورت ہے چونکہ وہ اپنی کمزوریوں سے آگاہ ہے۔ وہ اپنے بارے میں بہت اعلیٰ رائے نہیں رکھتا۔ اس لئے اسے خود ساختہ خودی کی وجہ سے روحانی طور پر کوئی الجھاؤ نہیں ہوتا اور وہ اللہ کی مدد سے اپنے آپ کو بہتر بناتا ہے۔ وہ قرآن میں بیان کردہ مثالی مومن بننے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کی انکساری اس کی تمام سرگرمیوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔

**"رحمٰن کے (سچے) بندے وہ ہیں جو زمین پر فروتنی (نرمی) کے ساتھ چلتے ہیں اور جب بے علم لوگ ان سے باتیں کرنے لگتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ سلام ہے۔" (الفرقان 63)**

ایک کافر کا سب سے بڑا مسئلہ اس کا زعم باطل رکھنا اور اپنے کو خدا سمجھنا ہے۔ قرآن ہم سے کہتا ہے کہ ان لوگوں کے انجام پر غور کرو جو

اپنی خود فریبی کی وجہ سے حق کو جھٹلاتے ہیں حالانکہ ان کے نفس اسکی تائید کرتے ہیں۔

**"انھوں نے انکار کردیا حالانکہ ان کے دل یقین کرچکے تھے صرف ظلم اور تکبر کی بناء پر۔ پس دیکھ لیجئے کہ ان فتنہ پرداز لوگوں کا انجام کیسا کچھ ہوا۔" (النمل 14)**

ایک مومن کا اس دنیا میں سب سے بڑا مقصد اپنے دین کے لئے جدوجہد کرنا ہوتا ہے۔ وہ اللہ کے راستے میں پیش آنے والی تمام رکاوٹوں سے جنگ کرتا ہے۔ سب سے بڑی رکاوٹ اس کے اپنے نفس کا لالچ اور سفلی خواہشات ہیں۔ تمام زندگی وہ اپنے نفس کی مخالفت کرے گا جب بھی وہ اسے اللہ کی مرضی کے خلاف دوسرا راستہ پیش کرے گا۔ اس کا نفس اسے خوف، نا امیدی اور کاہلی جیسے بے شمار حیلوں اور رکاوٹوں سے اللہ کے راستے سے ہٹا کر گمراہ کرنے کی کوشش کرے گا۔ تاہم ایک مومن اپنے جذبۂ محبت، ارادے کی پختگی، حوصلے اور صبر سے اس پر قابو پالے گا وہ کبھی سیدھے راستے سے انحراف نہیں کرے گا کیونکہ یہ اللہ کا راستہ ہے جو اس کا واحد سرپرست واحد نگہبان اور واحد مددگار ہے۔

وہ صرف اپنے لئے جدوجہد نہیں کرتا۔ وہ اس زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے اور زمین اس کو امانت دی گئی ہے۔ اس لئے وہ حکمت کے ساتھ ان حد سے گزرنے والوں کے ساتھ لڑتا ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور ان کو اللہ کے رستے پر چلنے سے روکتے ہیں۔ قرآن کی زبان میں وہ ان مرد، عورتوں اور بچوں کے لئے نجات اور انصاف مہیا کرے گا جو کمزور ہونے کی وجہ سے مظلوم ہیں اور ستائے جاتے ہیں۔ زمین پر رہنے والے لوگ اللہ کا انصاف ان خلفاء کی کوششوں کے ذریعے حاصل کریں گے۔

صرف وہی معاشرے حقیقی انصاف حاصل کر سکتے ہیں جو قرآن کے احکامات اور اخلاقی اصولوں پر عمل کرنے والوں کے زیر انتظام ہیں۔ ایک مومن وہ ہے جو لوگوں سے انصاف کا معاملہ کرتا ہے اور اللہ کی رضا کی خاطر ان کی حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

وہ غیر مومن جو معاشرے پر حکومت کرنا چاہتے ہیں وہ دولت، شہرت اور عہدے جیسے دنیاوی فوائد حاصل کرنے کی توقع رکھتے ہیں۔ ان کی حکمرانی کے دور میں حقیقی انصاف حاصل نہیں ہوسکتا۔ لیکن سچے مومن کے کندھوں پر پوری دنیا پر انصاف کی حکمرانی کے مشن کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ یہ صرف لوگوں میں قرآنی اقدار کو پھیلانے ہی سے ممکن ہے۔

**"اور ہماری مخلوق میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو حق کے موافق ہدایت کرتی ہے اور اس کے موافق انصاف بھی کرتی ہے۔" (الاعراف 181)**

قرآن مومنوں اور زمین پر فساد پھیلانے والوں کے درمیان تضاد کو بھی نمایاں کرتا ہے۔

**"کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کے برابر کردیں جو (ہمیشہ) زمین میں فساد مچاتے رہے، یا پرہیز گاروں کو بدکاروں جیسا کردیں۔؟" (ص 28)**

مومن دنیا کو تباہی سے بچانے کے لئے جدوجہد کرتے ہیں۔ قرآن مومنوں کی یہ مخصوص صفت یوں بیان کرتا ہے۔

**"وہ یہی کہتے رہے کہ اے پروردگار! ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہم سے ہمارے کاموں میں جو بے جا زیادتی ہوئی ہے اسے بھی معاف فرما اور ہمیں ثابت قدمی عطا فرما اور ہمیں کافروں کی قوم پر مدد دے۔ اللہ تعالیٰ**

**نے انہیں دنیا کا ثواب بھی دیا اور آخرت کے ثواب کی خوبی بھی عطا فرمائی اور اللہ تعالیٰ نیک لوگوں سے محبت کرتا ہے۔ اے ایمان والو! اگر تم کافروں کی باتیں مانو گے تو وہ تمہیں تمہاری ایڑیوں کے بل پلٹا دیں گے (یعنی تمہیں مرتد بنا دیں گے) پھر تم نامراد ہو جاؤ گے۔" (آل عمران 149-147)**

ایک مومن پر لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف بلانے کے مشن کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ بھلائی کی طرف دعوت دینا اور برائی سے روکنا ان کا اولین فرض ہے۔

**"مومن مرد و عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے (مددگار معاون اور) دوست ہیں۔ وہ بھلائیوں کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں نمازوں کو پابندی سے بجا لاتے ہیں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی بات مانتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ بہت جلد رحم فرمائے گا۔ بے شک اللہ غلبے والا حکمت والا ہے۔ (التوبۃ 71)**

ایک مومن کی نمایاں خصوصیات میں سے جو اسے جھوٹے پجاری سے ممتاز کرتی ہے یہ ہے کہ جب وہ قرآن کا پیغام لوگوں تک پہنچاتا ہے تو اس کے بدلے کچھ بھی حاصل کرنے کی طمع نہیں رکھتا۔ اس کا مقصد دولت کمانا اور مرتبہ حاصل کرنا نہیں بلکہ اللہ کی رضا ہوتا ہے۔ وہ صرف اللہ کے رستے میں اپنا انعام تلاش کرتا ہے۔

**"پھر بھی اگر تم اعراض ہی کئے جاؤ تو میں نے تم سے کوئی معاوضہ تو نہیں مانگا میرا معاوضہ تو صرف اللہ ہی کے ذمہ ہے اور مجھ کو حکم کیا گیا ہے کہ میں مسلمانوں میں سے رہوں۔" (یونس 72)**

**"یہی لوگ ایسے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی تھی سو آپ بھی ان ہی کے طریق پر چلیے۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس پر کوئی معاوضہ نہیں چاہتا۔ یہ تو صرف تمام جہان والوں کے واسطے ایک نصیحت ہے۔" (الانعام 90)**

ایک سچا مومن اخلاق کے بلند مرتبے پر ہوتا ہے۔ وہ نرم مزاج، متحمل اور بردبار شخصیت کا مالک ہوتا ہے۔ چونکہ وہ حالات سے نہیں ڈگمگاتا۔ وہ اپنے جذبات کو قابو میں رکھتے ہوئے پختہ ردعمل اور دانش مندی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ وہ خود ایثار، درگزر اور شفیق ہوتا ہے۔

**"اور وہ اپنے رب کی رضا مندی کی طلب کے لئے صبر کرتے ہیں اور نمازوں کو برابر قائم رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اسے چھپے کھلے خرچ کرتے ہیں اور برائی کو بھی بھلائی سے ٹالتے ہیں ان ہی کے لئے عاقبت کا گھر ہے۔" (الرعد 22)**

**"جو لوگ آسانی میں اور سختی کے موقع پر بھی اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں' غصہ پینے والے اور لوگوں سے درگزار کرنے والے ہیں' اللہ تعالیٰ ان نیک کاروں سے محبت کرتا ہے" (آل عمران 134)**

**"آپ درگزر کو اختیار کریں' نیک کام کی تعلیم دیں اور جاہلوں سے ایک کنارہ ہو جائیں" (الاعراف 199)**

**"اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں کھانا کھلاتا ہے مسکین' یتیم اور قیدیوں کو" (الدھر 8)**

بے شک مومن غلطیاں بھی کریگا' آخر کار وہ ہے تو انسان ہی' لیکن جونہی اسے اپنی غلطیوں کا احساس ہوگا' وہ اپنی اصلاح کرے گا اور اللہ سے اپنی کوتاہیوں کی معافی مانگ لے گا۔ اسے اپنی کوئی غلطی بھی ناامید نہیں کردیتی کیونکہ اسے اللہ کی مدد کا یقین ہے اور وہ اس کی بے حدو حساب رحمت میں پناہ طلب کرتا ہے۔ قرآن اس کو ایسے بیان کرتا ہے:

**"جب ان سے ناشائستہ کام ہو جائے یا کوئی گناہ کر بیٹھیں تو فوراً اللہ کا ذکر اور اپنے گناہوں کے لئے استغفار کرتے ہیں' فی الواقع اللہ تعالیٰ کے سوا اور کون گناہوں کو بخش سکتا ہے؟ اور وہ لوگ باوجود علم کے کسی برے کام پر اَڑ نہیں جاتے" (آل عمران 135)**

مومن کے دوست صرف اللہ اور اللہ کے دوسرے مومن بندے ہوتے ہیں۔ وہ لوگوں کو صرف ان کے ایمان کے مطابق جانچتا ہے۔ وہ دوسروں کے لئے ان کی نسل' معاش' خاندانی تعلقات یا ان سے نفع حاصل کرنے کی وجہ سے محبت نہیں کرتا۔ واحد کسوٹی جو انہیں اس کی محبت کے قابل بناتی ہے وہ ان کا اعلیٰ درجے کا تقویٰ ہے۔ اس کا قریبی دوست' دوست نہیں رہتا' اگر وہ اللہ کا دشمن ہے۔ دوسری طرف کوئی بھی مومن جس نے اپنے آپ کو اللہ کے لئے وقف کر دیا ہے، اس کا قریبی بھائی ہے اگرچہ دونوں میں خاندانی تعلق' معاشی مرتبہ یا مالی مناسبت جیسے معاملات میں کچھ بھی مشترک نہ ہو۔ وہ اللہ کی رضا کی خاطر محبت کرتا اور اللہ کی رضا کی خاطر نفرت کرتا ہے۔

وہ ایک عقل مند آدمی ہوتا ہے وہ اللہ پر بھروسہ کرتا ہے چونکہ وہ اللہ پر توکل کرتا ہے اس لئے وہ خوف' اضطراب اور دنیاوی معاملات کی پریشانیوں سے بچا رہتا ہے۔ چونکہ وہ کشادہ دل انسان ہے' وہ اعلیٰ سوچ رکھتا ہے اور حالات کی پیچیدگیوں کو آسانی سے سمجھ لیتا ہے۔ اس کی دلیل حکمت اور علم سے تقویت پاتی ہے۔

وہ زمین پر خلیفہ ہے جو اللہ کے کلمے کو بلند کرنے کا ذمہ لئے ہوئے ہے۔ وہ اس بات سے آگاہ ہے کہ وہ اس دنیا میں مختصر عرصے کے لئے ٹھہرے گا۔ اس مختصر عرصے میں اسے جانچا جائے گا اور اس کی تربیت کی جائے گی۔ پھر وہ آخرت میں اپنے اصل گھر کے لئے تیار ہوگا۔ اس دنیا میں اس کی زندگی اللہ کے خلیفہ کے طور پر عزت و عظمت سے لبریز ہے۔ کوئی اس پر غالب نہیں آسکتا۔ وہ شاید اسے قتل کر دیں لیکن وہ اس کے لئے سب سے بڑا انعام ہوگا کیونکہ یہ کسی طرح بھی اس کے لئے خاتمہ نہیں۔ اللہ کے رستے میں قتل ہو جانا عظیم سرفرازی ہے۔

# اپنے آپ سے سوال

**" اے ایمان والو ! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص دیکھ (بھال) لے کہ کل (قیامت) کے واسطے اس نے (اعمال کا) کیا (ذخیرہ) بھیجا ہے۔ اور (ہر وقت) اللہ سے ڈرتے رہو۔ اللہ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہے۔ اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جنھوں نے اللہ (کے احکام) کو بھلا دیا تو اللہ نے بھی انھیں اپنی جانوں سے غافل کر دیا ' اور ایسے ہی لوگ نافرمان (فاسق) ہوتے ہیں۔ " (الحشر 18 - 19 )**

قرآن مومنوں کو بیان کرتا ہے جیسا کہ پچھلے صفحات میں تفصیل سے بتایا گیا۔ مومنین جن سے اللہ خوش ہو گیا اور جن کو اللہ جنت میں داخل کرے گا وہ ہیں جیسا اوپر ذکر ہوا۔ لیکن ہمارا اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟ کیا ہم نے کبھی اپنے آپ سے سوال کیا کہ ہم ان سے کتنا ملتے ہیں؟

قرآن میں بیان کردہ مومن کا نمونہ ہمیں بتاتا ہے کہ یہ کہنا کہ الحمدللہ میں مسلمان ہوں اور عبادت کے کچھ مراسم ادا کر لینا شاید اللہ کی نظر میں کافی نہ ہو۔ ایک سچا مومن خالی زبانی دعوے نہیں کرتا بلکہ اللہ کے راستے میں جدوجہد کرتے ہوئے انتہائی کوشش کرتا ہے۔ قرآن ان لوگوں کے بارے میں جو اللہ کی بندگی کنارے پر رہ کر کرتے ہیں یوں بیان کرتا ہے یوں بیان کرتا ہے۔

**" بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ ایک کنارے پر (کھڑے) ہو کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ اگر کوئی نفع مل گیا تو دلچسپی لیتے ہیں اور اگر کوئی آفت آ گئی تو اسی وقت منہ پھیر لیتے ہیں ، انھوں نے دونوں جہان کا نقصان اٹھالیا ۔ واقعی یہ کھلا نقصان ہے۔ " (الحج 11 )**

ایک اور آیت واضح کرتی ہے کہ اللہ کے راستے کے شایانِ شان اعمال سے کیا مراد ہے۔

**" ساری اچھائی مشرق و مغرب کی طرف منہ کرنے میں ہی نہیں بلکہ حقیقتاً اچھا وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ پر ، قیامت پر ، فرشتوں پر ، کتابُ اللہ پر اور نبیوں پر ایمان رکھنے والا ہو ، جو مال سے محبت کے باوجود قرابت داروں ، یتیموں ، مسکینوں ، مسافروں اور سوال کرنے والے کو دے ، غلاموں کو آزاد کرے ، نماز کی پابندی اور زکوۃ کی ادائیگی کرے ۔ جب وعدہ کرے تب اسے پورا کرے ، تنگدستی دکھ درد اور لڑائی کے وقت صبر کرے ، یہی سچے لوگ ہیں اور یہی پرہیز گار ہیں۔ " (البقرہ 177 )**

یقیناً یہ سوچ کر اپنے آپ کو دھوکہ دینا بے معنی ہوگا 'جیسے میرا دل پاک ہے، میری کوئی خراب عادات نہیں' اور 'میں کسی کے ساتھ کوئی برائی نہیں کرتا' ، 'بے شک اللہ مجھ سے محبت کرتا ہے'۔ اللہ چاہتا ہے کہ لوگ اس کی بندگی کریں نہ کہ صرف پاک دل والا بن جائیں جو کسی کو نقصان نہیں دینا چاہے کسی کا دل کتنا ہی پاک کیوں نہ ہو، اگر وہ اللہ کے احکامات نہیں مانتا اور اپنے مذہبی فرائض ادا نہیں کرتا ، وہ اللہ کو خوش نہیں کر

سکتا۔ اس کے علاوہ سچے ایمان کے بغیر کسی کا دل پاک نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ صرف سچا ایمان ہی انسان کو حسد، دنیاوی محبت، خودغرضی، خودپسندی، دوسروں کے لئے ہمدردی کے جذبے کی کمی وغیرہ جیسی برائیوں سے بچا سکتا ہے۔ یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ یہ برائیاں ہماری روح سے دور نہیں ہو سکتیں جب تک ہم حقوق اللہ ادا کرنے میں سرگرم نہ ہوں۔

# ایک ایسے شخص کا نمونہ جو دین سے دُور معاشرے میں رہتا ہے۔

**" کیا اب بھی تم نصیحت نہیں پکڑتے ۔ انھوں نے کہا کہ ہماری زندگی تو صرف دُنیا کی زندگی ہی ہے ۔ ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہمیں صرف زمانہ ہی مار ڈالتا ہے، (دراصل) انہیں اس کا کچھ علم ہی نہیں یہ تو صرف (قیاس) اور اٹکل سے ہی کام لے رہے ہیں " (الجاثیۃ 24)**

**" بعض لوگ اللہ کے بارے میں بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر روشن کتاب کے جھگڑتے ہیں " (الحج 8)**

مومنوں کی ان تمام مثبت خوبیوں کے باوجود ایسے لوگ موجود ہوں گے جو مذہب سے عدم دلچسپی رکھتے ہیں ۔ اس کی وجہ سمجھنے کے لئے ہمیں ان کے تعصبات اور اسلام اور مسلمانوں کے اثرات کا جائزہ لینا ہوگا ۔ یہاں ہمارا اشارہ ان لوگوں کی طرف نہیں جو دہریے ہیں بلکہ ان لوگوں کی طرف ہے جو دین کے تقاضے کے مطابق عمل کئے بغیر سمجھتے ہیں کہ وہ مسلمان ہیں ۔ یہاں جو مثال مقصود ہے وہ اس نام نہاد مسلمان کی ہے جو اپنی زندگی کچھ ایسے اصولوں کے مطابق گزارتے ہیں جو سچے دین کا حصہ نہیں ۔ "غیر مذہبی" اصطلاح سے ہماری مراد ان معاشروں، لوگوں یا اصولوں کی طرف ہے جن کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں جبکہ وہ درحقیقت مذہب کا انکار نہیں کرتے ۔ غیر مذہبی معاشرے جو سچے دینی اقدار سے دور ہیں وہ یقیناً غیر مذہبی افراد ہی سے مل کر بنے ہیں ۔ درحقیقت ہم ایسی مثالوں سے پوری طرح ناآشنا نہیں ہیں کیونکہ وہ اسی معاشرے کی پیداوار ہیں جس میں ہم رہتے ہیں ۔

جیسا کہ ہم نے شروع میں ذکر کیا ۔ ایسے شخص کی جو اس مثال پر پورا اترتا ہے، اہم خصوصیات میں سے ایک معاشرے کی شرائط و پابندیوں کے مطابق اس کا رویہ ہے ۔ اس کے تمام آداب، اکثریت کا اتباع کرنے سے حاصل ہوتے ہیں ۔ یہی چیز اس کا دین کے بارے میں نقطۂ نظر ترتیب دے گی ۔ اس کی تمام مذہبی فکر، ماحول سے ترکیب پاتی ہے ۔ اس کی قرآن پر بہت کم رائے ہوتی ہے اور شاید اپنی زندگی میں اس نے ایک بار بھی اسے نہیں پڑھا ۔ اس لئے اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں اس کی معلومات کا ذریعہ اس کے آباؤ اجداد کے طور طریقے اور اسلام کے بارے میں عاملانہ کہانیاں جو سُنی سنائی ہیں ۔ وہ سمجھتا ہے کہ اسلام کے نام پر کی جانے والی سرگرمیاں اصل اسلام کا حصہ ہیں ۔

تعلیمی ادارے میں اگر اس کا حیاتیات کا اُستاد نظریۂ ارتقاء کا حامی ہے یا فلسفے کا اُستاد دہریہ ہے تو وہ بلا مزاحمت ان کو سچ مان لیتا ہے ۔ وہ سوچنے لگتا ہے کہ وہ بہت روشن خیال ہو گیا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ اس نے حق پا لیا اور زندگی کے ادنیٰ معاملات سے آگے نکل گیا ہے ۔

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا، ذرائع ابلاغ کچھ گمراہ لوگوں کو سچے پرستار اور گمراہ کن خیالات کو اسلامی ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہے ۔ وہ مومنوں کو جارح، جنونی، قدیم اور سست لوگوں کی حیثیت سے پیش کرتا ہے ۔ ذرائع ابلاغ کے اس دانستہ امتیازی پراپیگنڈے کے ذریعے وہ سمجھتا ہے کہ اس نے اسلام کے بارے میں کافی علم حاصل کر لیا ۔ وہ ایسا عالم ہے جو اپنے دوستوں کے سامنے بے تکے خیالات کا اظہار اور اسلام کے بارے میں اظہار رائے سے نہیں چوکتا ۔ جب وہ اپنے جیسے لوگوں سے ملتا ہے جو اس سے اتفاق رائے رکھتے ہیں تو وہ اپنے آپ اور اپنے خیالات کے بارے میں زیادہ مطمئن ہو جاتا ہے ۔

غلط، مسخ شدہ اور غیر معقول مذہبی طور طریقے جو کسی طرح بھی اصل اسلام کی نمائندگی نہیں کرتے، اُسے سچائی کی تلاش پر آمادہ نہیں کرتے ۔ اُسے یہ جاننے کی کوئی پرواہ نہیں کہ درحقیقت کوئی اصل دین بھی ہے اور آخر وہ ایسا کیوں کرے؟ اس کے لئے اس سے زیادہ اہم اور

مصروفیات ہیں جیسے سکول، نوکری یا اپنے اہل وعیال کی دیکھ بھال۔ وہ حقیقت کو دریافت کرنے کی ذمہ داری قبول کرنا نہیں چاہتا۔ مادی ذرائع ابلاغ کی مدد سے وہ اللہ اور دین کے بارے میں اپنی روح کے تقاضوں کو دبا دیتا ہے۔ وہ اس مسئلے کی اور زیادہ چھان بین کیوں کرے۔ اگر اللہ سے متعلق کوئی نظام ہے جس پر لوگوں کو عمل کرنا واجب ہے تو وہ دنیاوی معاملات کے ساتھ کیا روّیہ رکھے؟ وہ غلط سوچ رکھتا ہے کہ اسلام اس کے مسائل کو بڑھا دے گا۔ اس کا ذہن اتنا دھندلا ہے کہ حقیقت سے فرار اسے ذمے داریوں سے آزاد نہ کرے گا۔ ایسے لوگوں کی حالت زار جو اس نفسیاتی صورتِ حال میں ہیں، قرآنی آیت میں یوں بیان ہوئی ہے۔

**" اور یہ لوگ اس سے دوسروں کو بھی روکتے ھیں اور خود بھی اس سے دور دور رھتے ھیں اور یہ لوگ اپنے ھی کو تباہ کر رھے ھیں اور کچھ خبر نہیں رکھتے۔" (الانعام 26)**

اس معاشرے کا غیر مذہبی روّیہ جس میں وہ رہتا ہے، اس کا سب سے بڑا سہارا ہے "اعلیٰ معاشرے" کے ارکان، سیاستدان، مصنفین اور دوسری مشہور شخصیات جو روشن خیال، اربابِ عقل ودانش جانے جاتے ہیں کا غیر مذہبی طرزِ زندگی اس پر گہرا اثر ڈالتا ہے۔ آخر اس "اعلیٰ معاشرے" کو موزوں ترین طور طریقوں کے مطابق چلنا ہے اور اسے اپنے معاشرے کے موافق ہونا چاہیے۔

مذہب سے دور رہتے ہوئے وہ سمجھتا ہے کہ وہ جدت پسند اور ہم زماں انسان بن گیا ہے۔ ایک غیر مذہبی شخص ہونا اُسے شاید مجرمانہ احساس دلاتا ہو لیکن وہ سوچ کر مطمئن ہو جاتا ہے کہ اس تصور میں اس کے ساتھ بہت سے دوسرے لوگ شریک ہیں۔ جیسے یہ چیز اس کے مجرمانہ احساس کو کم کرنے والی ہو۔ وہ سمجھتا ہے کہ گروپ کی شکل میں کیا جانے والا جرم انفرادی ذمہ داری کو کم کر دیتا ہے لیکن جب وہ مرے گا تو وہ بالکل اکیلا ہوگا۔ جب اُسے اپنے اعمال کا حساب دینا پڑے گا تو کوئی اس کے ساتھ نہ ہوگا۔ وہاں اُن مشہور ومعروف روشن خیال لوگوں اور "اعلیٰ معاشرے" کے ارکان میں سے کوئی مددگار نہ ہوگا۔

**" سب کے سب اللہ کے سامنے رو برو کھڑے ھوں گے۔ اس وقت کمزور لوگ بڑائی والوں سے کھیں گے کہ ھم تو تمھارے تابعدار تھے، تو کیا تم اللہ کے عذابوں میں سے کچھ عذاب ھم سے دور کر سکنے والے ھو؟ وہ جواب دیں گے کہ اگر اللہ ھمیں ھدایت دیتا تو ھم بھی ضرور تمھاری راھنمائی کرتے ھیں، اب تو ھم پر بے قراری کرنا اور صبر کرنا دونوں ھی برابر ھیں ھمارے لیے کوئی چھٹکارہ نھیں۔" (ابراھیم 21)**

**" اور تم ھمارے پاس تنھا تنھا آ گئے جس طرح ھم نے اوّل بار تم کو پیدا کیا تھا اور جو کچھ ھم نے تم کو دیا تھا اس کو اپنے پیچھے ھی چھوڑ آئے اور ھم تو تمھارے ھمراہ تمھارے ان شفاعت کرنے والوں کو نھیں دیکھتے جن کی نسبت تم دعویٰ رکھتے تھے کہ وہ تمھارے معاملے میں شریک ھیں۔ واقعی تمھارے آپس میں تو قطع تعلق ھو گیا اور وہ تمھارا دعویٰ سب تم سے گیا گزرا ھوا۔" (الانعام 94)**

چونکہ وہ منتخب ہونے کے تصور کا غلط منشا سمجھتا ہے اس لئے وہ اپنے لئے مثالی کردار کے طور پر غلط لوگوں کا انتخاب کرتا ہے۔ جاہلی

معاشرے کے مطابق منتخب شخص بننے کے لئے کچھ خاص خصوصیات درکار ہیں جیسے دولت مند ہونا اور شہرت، لیکن یہ شہرت کے اسلامی معیار سے غیر متعلق ہیں۔ وہ اس حقیقت سے آگاہ نہیں کہ پچے ہوئے انسان کا مرتبہ صرف متقی مومن بننے سے حاصل ہوسکتا ہے جو اللہ کے قریب لایا گیا ہو۔

**۔۔ " ہمارے بندوں ابراهیم، اسحاق اور یعقوب (علیہم السلام) کا بھی لوگوں سے ذکر کرو جو ھاتھوں اور آنکھوں والے تھے۔ ہم نے انہیں ایک خاص بات یعنی آخرت کی یاد کے ساتھ مخصوص کر دیا تھا۔ یہ سب ہمارے نزدیک برگزیدہ اور بہترین لوگ تھے۔ " (صٓ 45 - 47 )**

معاشرہ اس سے ذاتی قابلیتوں اور قربانیوں جیسے بہت سے مطالبات کرتا ہے۔ سب سے پہلے اسے اُس غیر مذہبی معیار کے مطابق معاشرے میں رتبہ اور عزت حاصل کرنے کی ضرورت ہے، ورنہ لوگ اس کے بارے میں کیا سوچیں گے؟ وقت کے ساتھ وہ دکھاوے کے دوسرے مؤثر طریقے سیکھ لیتا ہے تاکہ لوگوں پر اچھا تاثر ڈالے۔ اسے جس چیز کی سب سے زیادہ فکر ہے وہ " دوسروں کا اس کے بارے میں تاثر " ہے۔ وہ اس میں اتنا مگن ہے کہ دوسرے اس کے بارے میں کیا سوچتے ہیں اور اسے اللہ کی رضا حاصل کرنے کی کوئی پرواہ نہیں۔ وہ اللہ کی رضا تلاش کرنے کا دعویٰ کرتا ہے لیکن جب اس کے اعمال پر نظر دوڑائیں تو آپ دیکھیں گے کہ ایک چیز جس کی اُسے پرواہ ہے وہ خوشامد کرنا ہے۔

معاشرہ لوگوں کو مخالف جنس کے ساتھ ان کے تعلقات کی نوع کے بارے میں بھی تعلیم دیتا ہے۔ پسندیدہ ترین نعروں میں سے ایک یہ ہے کہ " عورتوں کے حقوق کا دفاع کرو اور عورتوں کو عزت دو " لیکن درحقیقت عورتیں استحصال کے آلے کے طور پر استعمال کی جاتی ہیں جنس مخالف سے باہم میل ملاقات کے منطق کو نوجوان لوگوں کو لاحق کچھ معاشرتی مسائل کے واحد حل کے طور پر تھوپ دیا گیا ہے۔ اس معمول کی بغیر سوچے سمجھے کہ مذہبی حدود کے لحاظ سے مناسب ہے یا نہیں، حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ فلرٹ، بوائے فرینڈ، گرل فرینڈ اور اسی طرح کی دوسری اصطلاحات جدید لغت میں معیار بن گئی ہیں۔ نوجوان لڑکیوں کو مردوں کی تسکین کا مقدس مشن دیا جاتا ہے۔ میڈیا کے کھلے اور چھپے دانستہ پراپیگنڈے کے ذریعے عزت اور پاکدامنی جیسے تصورات کو تار تار کرنے کی کوشش کی جاتی ہیں جس کے نتیجے میں یہ خیالات لاشعور میں جڑ پکڑ لیتے ہیں۔

تیرہ چودہ سال کی لڑکیاں اگر لڑکوں سے آزادانہ میل ملاپ نہیں رکھتیں تو ان پر ہم جنسی کا لیبل لگا دیا جاتا ہے۔ ایک نوجوان اگر قحبہ خانے جانے پر مزاحمت کرتا ہے تو اسے بھی نامردی یا ہم جنس ہونے کا لیبل لگ سکتا ہے۔ وہ جو اپنی عفت قائم رکھنا چاہتے ہیں وہ اپنے آپ کو معاشرے سے کٹا ہوا محسوس کرتے ہیں۔ اس طرح معاشرتی دباؤ ڈالا جاتا ہے۔ اگر وہ بے دین معاشرتی اصولوں کے مطابق عمل نہیں کرتا تو عوامی رائے اُس کو اپنے طور طریقے بدلنے پر مجبور کردے گی اور اس دباؤ کے پیش نظر اس کا ضبط نفس ٹوٹ جائے گا۔

اس طرح مقید نوجوان، نکاح سے باہر جنسی تعلقات کو جائز سمجھنے لگتا ہے۔ اب ہم جنس پرستی کے بارے میں ہمارے نظریات کی تشکیل کی باری آتی ہے۔ دانستہ طور پر کئے گئے پراپیگنڈے کی وجہ سے ایک عام آدمی کو ہم جنس کے نارمل ہونے میں یقین کرنے پر مائل کر دیا گیا ہے " ہم جنس ہونا شخصی اختیار ہے جسے بالکل معمول تصور کیا جانا چاہئے " جب آپ اسے نارمل سمجھنے لگتے ہیں تو آپ کو کھلے ذہن والا جدید اور ممتاز انسان تصور کیا جاتا ہے۔ ایسا انسان بننے کے لئے آپ کو اپنے قدیم طرز فکر پر قابو پا کر اپنے آپ کو بہتر بنانا ہوگا۔ جتنا زیادہ آپ بدکرداری کو جائز تسلیم کریں گے اتنا ہی آپ ماڈرن، ممتاز انسان بن جائیں گے۔ کون ایسا انسان بننے پر معترض ہوسکتا ہے۔ درحقیقت ایک سچا مومن ہی ہوسکتا ہے۔

آیئے اس نظام کی کچھ دوسری خصوصیات پر مزید نظر ڈالتے ہیں۔ یہ نظام شادی کو، جو بنیادی طور پر بغیر نفع کی توقع کے ایک باہم عزت

اورمحبت کاادارہ ہے، باہم استحصال کے ہتھیار کے طور پر استعمال کرتا ہے۔اس نظام میں بیوی کا کردار بچوں کی پرورش، کپڑے اور برتن دھونا، کھانا پکانا اوراپنے شوہر کے لئے جنسی تسکین مہیا کرنا ہے۔شوہر پا لینے کے بعدنوجوان لڑکی کے اہم مقاصد میں سے ایک یہ ہے کہ وہ جس قدر جلد ہوسکے بچہ پیدا کرکے اپنے شوہر کو "باندھ" لے تاکہ یہ اس کے مستقبل کا ضامن ہوسکے۔دوسری طرف شوہر کا کردار اپنی محبوب بیوی کی "خدمات" کے صلے میں اس کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے کمائی کرنا ہے۔یہ باہم زندگی کے معاہدے کے سوا کچھ نہیں جو کہ ذاتی اغراض اور معاشرتی اصولوں پر مبنی ہے۔اس قسم کی شادی دراصل کسی بھی عارضی خدمت کے لئے کئے گئے معاہدے سے کچھ زیادہ مختلف نہیں۔صرف ایک فرق معاہدے کی صحت کا دورانیہ ہے۔اس شادی کے لمبا عرصہ چلنے، شاید زندگی بھر کے لئے، کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔دونوں میں سے کوئی بھی یہ حقیقت تسلیم کرنے کو تیار نہیں لیکن جب وہ یہ دیکھتے ہیں کہ ان کے باہم تعلقات میں کوئی محبت اور عزت باقی نہیں بلکہ صرف کردار ادا کرنا ہے تو وہ اپنی شادی کی اصلیت کو "زندگی کی حقیقت" تسلیم کر لیتے ہیں جب میاں بیوی میں سے کوئی معاہدے کے مطابق اپنے فرائض سے انحراف کرتا ہے تو ان کی شادی ٹوٹ جاتی ہے۔

ایک تصور "منطق" کے ذریعے شادی ہے۔اس کا مطلب ہے کہ جوڑے رشتۂ ازدواج میں منسلک تب ہوں جب دونوں فریق کچھ معیار پر پورا اتریں، اگر چہ محبت اور مخلصانہ قربت اس میں شامل نہ ہو۔محبت تو ویسے بھی ایک عارضی چیز ہے جسے جلد یا بدیر ختم ہو جانا ہے۔اس لئے جس سے آپ شادی کرنے جارہے ہیں اس سے محبت کی کوئی ضرورت نہیں۔یہاں یہ بات آسانی سے سمجھ آسکتی ہے کہ اس طرح کی شادیوں میں مشترک نقطۂ محبت نہیں بلکہ دولت اور باہمی فوائد ہیں حتیٰ کہ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد جنسی تعلقات ایک اُکتا ہٹ والا عمل سمجھا جاتا ہے کیونکہ ازواج ایک دوسرے کے عادی ہو جاتے ہیں اور یہاں تک کہ محبت کا مطلب بھی اس رشتے میں بگاڑ دیا گیا ہے۔یہ کچھ مادی معیار پر مبنی ہے۔نوجوان لڑکیاں با آسانی لال سپورٹس کار والے " کول" لڑکوں کی محبت میں گرفتار ہو جاتی ہیں۔اُن کے بے دین ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔چونکہ سچے دین میں بیان شدہ کوئی اخلاقیات اس میں شامل نہیں جس کا ردِعمل بداعمالی کی صورت میں نکلتا ہے۔

ظاہر ہے کہ ان شادیوں میں وفاداری اور دیانتداری جیسے تصورات کی کوئی اہمیت نہیں، دھوکے باز جوڑوں کی بڑھتی ہوئی تعداد اس نظام کا فطری نتیجہ ہے۔کچھ عرصہ گزرنے کے بعد وہ ایک دوسرے کو دھوکہ دینا شروع کر دیتے ہیں اور ان میں بہت اپنے ممنوع تعلقات کو صیغۂ راز میں رکھتے ہیں۔دوسری طرف کچھ ماڈرن لوگ یہ سب اپنے ساتھی کے دائرۂ علم میں ہوتے ہوئے کرتے ہیں اور اپنی اس دیانتداری پر فخر کرتے ہیں۔ماڈرن نظام نکاح کو جو اسلام کے بتائے ہوئے طریقے سے بالکل مختلف ہے، آئیڈیل پیش کر کے اس کی ترغیب دی جاتی ہے۔اس نظام کو جنسیت کی طرف راستے کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے جس پر معاشرے کے کچھ ماڈرن گروپ جو اسے مستقل تصور بنانے کی سر توڑ کوشش میں مصروف ہیں، عمل پیرا ہیں۔

درحقیقت بے دین طریقۂ زندگی جو ماڈرنزم کے طور پر متعارف ہے، ایک آزاد فلسفہ بالکل نہیں ہے۔یہ ایک فکری نظام ہے جو مذہبی اقدار کو تباہ کرنے اور ان کے برعکس معاشرتی نظام قائم کرنے کے لئے کیا گیا ہے۔یہ لوگوں کو مذہبی فرائض انجام دینے سے روکنے میں مؤثر ہے۔اس فکری نظام کے اصول صرف شادی پر ہی لاگو نہیں ہوتے بلکہ زندگی کے بہت سے دوسرے پہلوؤں پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔

یہ نظام یا تو پاکدامنی اور وفاداری جیسے تصورات کو تباہ کرنے یا کچھ دوسرے تصورات کو مسخ کر کے اپنے اندر شامل کرنے کی کوشش کرتا ہے تا کہ لوگوں کو گمراہ کیا جاسکے۔

دیانتداری، ہمت اور اللہ کے رستے میں بہادری جیسی خصوصیات وہ ہیں جن کی قرآن میں بہت تعریف کی گئی ہے۔بے انصافی کے خلاف جہاد، عزم کی پختگی اس حد تک کہ اللہ کے راستے میں اپنی جان قربان کر دینا، اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرنا بھی مومن کی اہم صفات میں سے ہیں لیکن اس نظام نے ہمت کو شدید بگاڑ کو اختیار کرنے کا، ایمانداری کو غیر اخلاقی سرگرمیوں میں کھلم کھلا شرکت کا اور عزم کی پختگی کو اپنی بے

دین اقدار کو قائم رکھنے اور ترغیب دینے میں ثابت قدمی کا نام دے دیا ہے۔

جب ہم نوجوانوں کی حالت پر غور کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ جرأت اور ارادے کی پختگی جیسے تصورات کو کچھ شخصی خرابیوں کے ساتھ مربوط کیا جاتا ہے جیسے گستاخانہ پن، بے ادبی، دھکانہ، انسانی حقوق کی پامالی، مصلحت پرستی، لوگوں سے برا برتاؤ، جارحیت، تکبر، اپنے آپ کا زیادہ تخمینہ لگانا وغیرہ۔ باغی شخص، Macho guy ,Tough guy کو نوجوانوں کے لئے مثالی شخصیات کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ غیر محتاط ہونا اور باتونی پن کو ایک کھرے اور بے لاگ انسان کی علامات کے طور پر سراہا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں لوگوں کی اوپر بیان شدہ خصوصیات رکھنے والے لوگوں کی بے اعتباری کے بارے میں آگاہ کرتے ہیں۔

**" اور تُو کسی ایسے شخص کا بھی کہا نہ ماننا جو زیادہ قسمیں کھانے والا، بے وقار، کمینہ، عیب گو، چغل خور، بھلائی سے روکنے والا حد سے بڑھ جانے والا گناہ گار، گردن کش پھر ساتھ ھی بے نسب ھو۔ اس کی سرکشی صرف اس لئے ھے کہ وہ مال اور بیٹوں والا ھے۔ جب اس کے سامنے ھماری آیات پڑھی جاتی ھیں تو کہہ دیتا ھے کہ یہ تو اگلوں کے قصّے ھیں ۔" (القلم 10 - 15)**

ایک نوجوان لڑکی کے لئے آزادانہ جنسی تعلقات اور ہم جنس پرستی کے دفاع کو جرأت کے مظاہرے کے طور پر پیش کیا جاتا ہے اور اپنے خاوند کے ساتھ اس کی غیر وفاداری کو دیانتداری گردانا جاتا ہے۔ "عزت واحترام" ایک قدر شناسی کا جذبہ ہے جو کہ ہر طرح کے بگاڑ کے لئے دکھانا پڑتا ہے۔

اس سارے مسخ شدہ منطق کے انجام کے طور پر، کسی سے محبت کرنے کے تصور نے ایک مختلف روپ دھار لیا ہے۔ محبت کے درجے کا بلاواسطہ تناسب اس چیز سے ہے کہ کسی تعلق میں انسان کتنا دکھاوا کر سکتا ہے اور اس سے کتنا مادی فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔

محبت کچھ دانستہ طور پر پیدا کردہ خیالی تصاویر پر مبنی ہے۔ بہت سی جوان لڑکیاں ایک رومانوی باغی کی محبت میں صرف اس کی صورت کی وجہ سے گرفتار ہو جاتی ہیں۔ اس خیالی تصویر کے عنصر کے زیر اثر وہ ان لوگوں کو ہمدردی کی نظر سے دیکھتی ہیں جو واقعی معمولی اور بہت کم صفات کے حامل ہیں۔ دوسری طرف وہ ان زاہد و عابد با اخلاق مومنوں کو جو بہت سی قابلِ تعریف خوبیوں کے مالک ہیں فوراً تنقید کا نشانہ بنانے کو تیار رہتے ہیں، اگر ان سے نادانستہ معمولی سی غلطی کا ارتکاب ہو جاتا ہے۔ ایک مومن ہونے کا تصور کوئی خاص وقعت نہیں رکھتا جبکہ فضول باغی کردار جو مثبت خوبیوں سے نابلد ہے زیادہ توجہ اور کشش رکھتا ہے۔

جس معاشرے میں ایک شخص رہتا ہے وہ اس کی عقلی اقدار بناتا ہے اور اس کی فکر اور احساسات کو اس حد تک تشکیل کرتا ہے کہ وہ آخر کار مقصد زندگی، اپنے وجود، دین اور اللہ کے بارے میں کچھ نہیں سوچتا۔ پہلے اسے ایسے کپتان کا کردار ادا کرنے کی ضرورت ہے جو اپنا جہاز بچاتا ہے اور یوں معاشرے میں مقام بناتا ہے۔ یہ مقصد حاصل کرنے کے لئے اُسے لوگوں سے جوڑ توڑ اور ان کا غلط استعمال کرنا پڑے گا۔

زندگی ایک جدوجہد ہے۔ بڑی مچھلیاں چھوٹی مچھلیوں کو نگل لیتی ہیں۔ کمزور سے نجات پالینا فطرت کا قانون ہے۔ اس لئے اُسے اپنے اصولوں کے مطابق کھیل کھیلنا ہے۔ وہ دوسروں کی ایسی ہی ذہنیت ہونے کی پرواہ نہیں کرتا جب تک وہ اسے اس کے خلاف استعمال نہ کریں۔ لیکن جب اس کے منصوبوں کے مطابق کام نہیں بنتا اور وہ معاشرے میں کوئی 'مقام' حاصل کرنے میں ناکام ہو جاتا ہے تو وہ ذہنیت جس کی وہ اب تک طرف داری کرتا رہا، اس کے وجود کے لئے خطرے کی گھنٹی بن جاتی ہے۔ وہ اپنے آپ کو ان لوگوں کے درجے پر پاتا ہے جن کو وہ حقارت سے دیکھا کرتا تھا۔

اس کے نام نہاد دوست جو در حقیقت اس کی کوئی پرواہ نہ کرتے تھے بلکہ اب تک وہ جو نظر آتا تھا صرف اس سے غرض تھی، اب ایک ایک کر کے اُسے چھوڑنا شروع کر دیتے ہیں اور اُسے اکیلا چھوڑ دیتے ہیں۔ ایک بار جب وہ اپنی تجارت، دولت، مرتبہ یا ہر وہ چیز جو کسی کو محبت دینے لے لئے یا اسے کوئی اہمیت دینے میں اہم معیار سمجھی جاتی تھی سب کھو دیتا ہے تو اس کے تمام دوست اس سے منہ موڑ لیتے ہیں۔

اب وہ دیکھتا ہے کہ صرف اللہ ہی ہے جس پر وہ بھروسہ کر سکتا ہے اور مدد مانگ سکتا ہے۔ صرف اللہ ہی ہے جس کی پناہ وہ مانگ سکتا ہے۔

**" وہ اللہ ایسا ھے کہ تم کو خشکی اور دریا میں چلاتا ھے ، یہاں تک کہ جب تم کشتی میں سوار ھوتے ھو اور وہ کشتیاں لوگوں کو موافق ھوا کے ذریعے سے لے کر چلتی ھیں اور وہ لوگ ان سے خوش ھوتے ھیں ان پر ایک جھونکا سخت ھوا کا آتا ھے اور ھر طرف سے ان پر موجیں اُٹھی چلی آتی ھیں اور وہ سمجھتے ھیں کہ (بُرے) آ گھیرے ، (اس وقت) سب خالص اعتقاد کر کے اللہ ھی کو پکارتے ھیں کہ اگر تُو ھم کو اس سے بچا لے تو ھم ضرور شکر گزار بن جائیں گے ۔ " (یونس 22)**

لیکن جونہی اللہ اس کی دعائیں سن لیتا ہے اور اس کے کام درست ہونے لگتے ہیں جیسے اللہ تباہی کے کنارے سے کسی کو بچا لے، تو وہ پھر اللہ سے منہ پھیر لیتا ہے جیسے کبھی وہ ایسا نہ تھا کہ جس نے بیچارگی سے اللہ سے مدد مانگی ہو اور دُعائیں قبول ہونے پر سچا بندہ بننے کا وعدہ کیا ہو

**" پھر جب اللہ تعالیٰ ان کو بچا لیتا ھے تو فوراً ھی وہ زمین میں ناحق سرکشی کرنے لگتے ھیں ۔ اے لوگو! یہ تمھاری سرکشی تمھارے لئے وبال ھونے والی ھے۔ دنیاوی زندگی کے (چند) فائدے ھیں، پھر ھمارے پاس تم کو آنا ھے پھر ھم سب تمھارا کیا ھوا تم کو بتلا دیں گے۔" (یونس 23)**

وہ پھر دوبارہ اپنی مسخ شدہ مادی ذہنیت سے چیزوں کو پرکھنے لگتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ جس حالت سے وہ گزرا وہ محض زندگی کا تجربہ تھا اور یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ ناموافق حالت سے اپنی کوششوں کے باعث بچ گیا۔ چیزوں کو حقیقت پسندانہ خیال کرنا چاہیے نہ کہ مذہب یا مابعد الطبیعات کے حوالے سے۔ بہر حال سب کچھ اب ختم ہوا۔ اب پھر کھیل کی طرف لوٹنے کا وقت ہے۔ اس مرتبہ وہ اسے اپنے اصولوں کے مطابق کھیلنے میں زیادہ محتاط ہو گا آخر کار وہ اب زیادہ تجربہ کار ہے۔

**" اگر ھم انسان کو اپنی کسی نعمت کا ذائقہ چکھا کر پھر اس سے لے لیں تو وہ بہت ھی نا اُمید اور بڑا ھی ناشکرا بن جاتا ھے ۔ اور اگر ھم اسے کوئی نعمت چکھائیں اس سختی کے بعد جو اسے پہنچ چکی تھی تو وہ کہنے لگتا ھے کہ بس برائیاں مجھ سے جاتی رھیں ، یقینا وہ بڑا ھی اترانے والا شیخی خور ھے۔ " (ھود 9 - 10 )**

اس کی رُوگردانی اب زیادہ مضبوطی سے قائم ہو گئی۔ اپنی بقیہ زندگی میں اُسے پھر آزمایا جائے گا اور وہ پھر ایسی ہی مشکلات کا سامنا کرے گا۔ یہ سب اسے اللہ کی طرف رجوع کرنے کے نئے مواقع فراہم کریں گے اور اسی کے لئے اچھا ہو گا اگر وہ اپنا سبق سیکھ لے اور اللہ کی مدد سے سیدھا راستہ پا لے لیکن اگر وہ مزاحمت کرتا ہے اور منہ پھیر لیتا ہے تو یہ مواقع اس کی گمراہی کو اور زیادہ مضبوط کرنے کا موجب ہوں گے۔

سب سے بدترین یہ ہے کہ اگر ان امتحانات میں شبہات کو دیکھنے اور اللہ کے فرائض کو نبھانے سے پہلے اس کی زندگی ختم ہو جائے۔ پھر بہت دیر ہو جائے گی کیونکہ اسے بہت سے مواقع دیے گئے اور اس نے ثابت کر دیا کہ وہ اپنی زندگی میں کس قسم کا شخص رہا۔ اس نے اپنے تمام مواقع استعمال کر لئے۔ ایسے لوگوں کی حالت قرآن میں اس طرح بیان ہوئی ہے۔

**" اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جب کہ یہ دوزخ کے پاس کھڑے کئے جائیں تو کہیں کے ہائے کیا اچھی بات ہو کہ ہم پھر واپس بھیج دیے جائیں اور اگر ایسا ہو جائے تو ہم اپنے رب کی آیات کو جھوٹا نہ بتلائیں اور ہم ایمان والوں میں سے ہو جائیں۔ بلکہ جس چیز کو اس سے قبل چھپایا کرتے تھے وہ ان کے سامنے آگئی ہے اور اگر یہ لوگ پھر واپس بھیج دئیے جائیں تب بھی یہ وہی کام کریں گے جس سے ان کو منع کیا گیا تھا اور یقینا یہ بالکل جھوٹے ہیں۔ " (الانعام 27 - 28)**

قرآن کی دوسری آیات میں کافروں کی ایسی ہی صورت حال پر زور دیا گیا ہے۔ اور انہیں نصیحت کی گئی ہے کہ وہ اس دُنیا میں اپنی زندگی میں ہی اللہ کی طرف رجوع کرلیں۔

**" اور جسے اللہ بھٹکا دے اس کا اس کے بعد کوئی چارہ ساز نہیں، اور تو دیکھے گا کہ ظالم لوگ عذاب کو دیکھ کر کہہ رہے ہوں گے کہ کیا واپس جانے کی کوئی راہ ہے۔ اور تو انہیں دیکھے گا کہ وہ (جہنم کے) سامنے لا کھڑے کیے جائیں گے مارے ذلت کے جھکے جا رہے ہوں گے اور کن انکھیوں سے دیکھ رہے ہوں گے، ایمان دار صاف کہیں گے کہ حقیقی زیاں کار وہ ہیں جنھوں نے آج قیامت کے دن اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو نقصان میں ڈال دیا۔ یاد رکھو کہ یقینا ظالم لوگ دائمی عذاب میں ہیں۔ ان کے کوئی مددگار نہیں جو اللہ تعالیٰ سے الگ ان کی امداد کر سکیں اور جسے اللہ گمراہ کر دے اس کے لئے کوئی راستہ ہی نہیں۔ اپنے رب کا حکم مان لو اس سے پہلے کہ اللہ کی جانب سے وہ دن آ جائے جس کا ہٹ جانا ناممکن ہے، تمہیں اس روز تو کوئی پناہ کی جگہ ملے گی نہ چھپ کر انجان بن جانے کی۔ " (الشوریٰ 44-47)**

# بے دین معاشرے کی اقدار سے قرآنی اخلاقیات کی طرف عبور

**"لیکن جو لوگ ظلم کریں پھر اس کے عوض نیکی کریں اس بُرائی کے پیچھے تو میں بخشنے والا مہربان ہوں۔" (النمل 11)**

**"اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے روح کو اتارا ہے، آپ اس سے پہلے یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ کتاب اور ایمان کیا چیز ہے ؟لیکن ہم نے اسے نُور بنایا، اس کے ذریعہ سے اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں، ہدایت دیتے ہیں، بے شک آپ راہِ راست کی راہنمائی کر رہے ہیں" (الشوریٰ 52)**

**"ان کو پاکیزہ بات کی رہنمائی کر دی گئی اور قابل صد تعریف راہ کی ہدایت کر دی گئی۔" (الحج 24)**

ہر شخص کے لیے پوری زندگی میں موقع ہوتا ہے تا کہ وہ اس چیز سے نجات حاصل کر لے جو معاشرے نے اس کے اندر ذہن نشین کرایا اور اللہ کی طرف رجوع کرے۔اللہ کے طریقے کے مطابق، کوئی بھی ایک خبردار کرنے والے کی طرف سے اللہ کے دین کی طرف دعوت دیے جانے سے پہلے کوچ نہیں کرے گا، ہر شخص جو اپنے اعمال کا ذمے دار ہے اُسے اسلام کی طرف دعوت دی جائے گی اور اُسے اپنی آزادی رائے سے منتخب کرنے کو کہا جائے گا۔

**"جو راہِ راست حاصل کر لے وہ خود اپنے ہی بھلے کے لئے راہ یافتہ ہوتا ہے اور جو بھٹک جائے اس کا بوجھ اسی کے اوپر ہے، کوئی بوجھ والا کسی اور کا بوجھ اپنے اوپر نہ لادے گا اور ہماری سنت نہیں کہ رسول بھیجنے سے پہلے ہی عذاب کرنے لگیں۔" (الاسراء 15)**

وہ لوگ جو اس دعوت کو پاتے ہیں، مختلف ردِّ عمل کا اظہار کرتے ہیں۔قرآن ان کا ردِّ عمل وضاحت سے بیان کرتا ہے۔سب سے بہترین ردِّ عمل حقیقی مومنوں کا ہوتا ہے۔جب وہ اپنی قبولیت کا اظہار یہ کہتے ہوئے کرتے ہیں،ہم نے سنا اور اطاعت قبول کی۔

**"ایمان والوں کا قول تو یہ ہے کہ جب انہیں اس لئے بلایا جاتا ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ ان میں فیصلہ کر دے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور مان لیا۔ یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔" (النُور 51)**

اس پر بھی ہر ایک کا ردِّ عمل اتنا مثالی نہیں ہوتا۔قرآن ان لوگوں کا بھی ذکر کرتا ہے جو اپنے دین کا فخر سے انکار کرتے ہیں، حتیٰ کہ مسلمانوں کو دُشمن سمجھتے ہیں جب وہ ان کو وہ قبول کرنے کی دعوت دیتے ہیں جو اللہ نے نازل کیا ہے۔

**" 'ویل' اور افسوس ہے ہر ایک جھوٹے گنہگار پر ۔ جو آیتیں اللہ کی اپنے سامنے پڑھی جاتی ہوئی سُنے پھر بھی غرور کرتا ہوا اس طرح اڑا رہے**

**کہ گویا سنی ہی نہیں ۔ تو ایسے لوگوں کو دردناک عذاب کی خبر (پہنچا) دیجئے ۔ وہ جب ہماری آیتوں میں سے کسی آیت کی خبر پا لیتا ہے تو اس کی ہنسی اُڑاتا ہے، یہی لوگ ہیں جن کے لئے رسوائی کی مار ہے ۔ "**
**(الجاثیۃ 7 - 9)**

دوسری طرف کچھ اور لوگ اپنے ردِّعمل میں مبہم ہوتے ہیں ۔ان لوگوں کا نفس انہیں بتاتا ہے کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط لیکن اندر سے ایک آواز مسلسل بے دین معاشرے سے منہ نہ موڑنے پر ناہت قدمی ذہن نشین کراتی رہتی ہے ۔وہ مختلف دفاعی حربوں سے اسے جائز بنانے کی کوشش کرتا ہے ۔وہ بے شمار طریقوں سے حقیقت سے فرار کی کوشش کرتا ہے ۔چونکہ وہ یہ نہیں کہہ سکتا "مومن تو مجھے سچ بتا رہے ہیں لیکن میں جو کچھ وہ بتاتے ہیں، اپنی کمزوری اور غرور کی وجہ سے اسے قبول نہیں کرتا اور نہ اس پر عمل کرتا ہوں ۔وہ دین کے اندر بذاتِ خود اور مومنوں میں خرابیاں تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہے تا کہ اپنے آپ کو تسکین دینے کے لئے یقین دہانی کرائے ۔

جب ایسا شخص سچے مومن سے ملتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف مخلص ہے وہ اس سے شک اور تعصب کے ساتھ گفت وشنید کرتا ہے ۔جب وہ دیکھتا ہے کہ یہ مومن روایتی روپ نہیں ہے، وہ ایسا شخص ہونے کا دعویٰ کرتا ہے جو دین کی اپنی خواہشات کے مطابق تشریح کرنے والا اور اپنے فائدے کے لئے دین کو استعمال کرنے والا ہے ۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ الزام رسولوں کے خلاف بھی لگایا گیا ہے ۔

**۔" اس کی قوم کے کافر سرداروں نے صاف کہہ دیا کہ یہ تو تم جیسا ہی انسان ہے ، یہ تم پر فضیلت اور بڑائی حاصل کرنا چاہتا ہے ۔ اگر اللہ ہی کو منظور ہوتا تو کسی فرشتے کو اتارتا، ہم نے تو اسے اپنے اگلے باپ دادوں کے زمانے میں سُنا ہی نہیں۔ " (المومنون 24)**

**" کیا تُو نے ہمیں ان کی عبادتوں سے روک رہا ہے جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے چلے آئے ، ہمیں تو اس دین میں حیران کن شک ہے، جس کی طرف تو ہمیں بُلا رہا ہے۔" (ھود 62)**

لہٰذا وہ جہالت کے دین کی مسخ شدہ سمجھ کا اختیاری طور پر طرف دار بننے کا فیصلہ کرتا ہے ۔وہ مومنوں کے طریقۂ زندگی پر اعتراض کرتا ہے کیونکہ انہوں نے دین کا وہ بگاڑ چھوڑ دیا ہے جو ان کے آباؤ اجداد کے غلط طور طریقوں سے وجود میں آیا ہے اور وہ قرآن میں بیان شدہ دین پر عمل پیرا ہیں ۔وہ سچے مسلمان سے پوچھتا ہے ۔"وہ کیا ہے جس کا تم دعویٰ کرتے ہو؟ کیا یہ کہ سب غلط کر رہے ہیں اور صرف تم صحیح ہو؟" "کیا صرف تم ہو جسے دین کے صحیح معنوں کا علم ہے؟" "کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم زمین پر دوسرے مومنوں سے بڑھ کر عقلمند ہو جس نے سچا راستہ پالیا ہے؟"

حالانکہ قرآن کے مطابق سچائی کے معیار کا اندازہ ایمان رکھنے والوں کی تعداد سے نہیں لگایا جاتا ۔اس کے برعکس قرآن ہمیں متنبہ کرتا ہے کہ لوگوں کی اکثریت سیدھے راستے پر نہیں ہوگی ۔

**" ........یہ کتابِ الٰہی کی آیات ہیں، اور جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے وہ عین حق ہے مگر (تمہاری قوم کے) اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔" (الرَّعد 1)**

جیسا کہ قرآن میں بیان کیا گیا ہے کہ کچھ رسولوں کا بہت سے لوگوں نے اتباع کیا مثلاً حضرت موسیٰ، حضرت سلیمانؑ، حضرت محمد ﷺ، جبکہ دوسرے رسولوں کی بہت کم لوگوں نے پیروی کی یہاں تک کہ کسی کے پیچھے ایک شخص بھی نہ تھا۔ تاہم ایمان والوں کی تعداد سے حقیقت نہیں بدلی اور سب رسولوں نے اللہ کا پیغام اپنے لوگوں تک پہنچایا۔ انہوں نے اپنا فرض ادا کیا اور آخرت میں بلند باغات سے نوازے گئے، قطع نظر اس سے کہ کتنے ایمان والوں نے ان کا اتباع کیا۔

قرآن ان لوگوں کے نقطۂ نظر کو واضح کرتا ہے جو مومنوں سے غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے استدلال کے ساتھ استفسار کرتے ہیں۔

**"کیا تُو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا؟ جنھوں نے اس قوم سے دوستی کی جن پر اللہ غضبناک ہو چکا ہے، نہ یہ (منافق) تمہارے ہی ہیں نہ ان کے ہیں باوجود علم کے پھر بھی جھوٹ پر قسمیں کھا رہے ہیں۔" (المجادلة 14)**

**"وہ درمیان میں ہی معلّق ڈگمگا رہے ہیں، نہ پورے ان کی طرف نہ صحیح طور پر ان کی طرف اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہی میں ڈال دے تو تُو اس کے لئے کوئی راہ نہ پائے گا۔" (النسآء 143)**

اس قسم کا شخص قرآن پر مبنی سچے دین کی توضیح میں نقص تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہے حالانکہ وہ قرآن کے بارے میں زیادہ علم نہیں رکھتا، وہ ان بحثوں میں حصہ لیتا ہے اور اپنے مسخ شدہ منطق کا دفاع مثالوں سے کرتا ہے (یہ مثالیں قرآن کے مطابق تماثیل کہلاتی ہیں)

درحقیقت اس کے دعوے بے بنیاد اور غیر مستحکم ہوتے ہیں اور راہ فرار اختیار کرنے کے لئے پیش کئے جاتے ہیں۔

**"خیال تو کیجئے! کہ یہ لوگ آپ کی نسبت کیسی کیسی باتیں بناتے ہیں۔ پس جس سے خود ہی بھٹک رہے ہیں اور کسی طرح راہ پر نہیں آ سکتے۔" (الفرقان 9)**

معروف مثالیں پانچ یا چھ سے زیادہ نہیں۔

مثال کے طور پر سُور کا گوشت دین میں کیوں حرام ہے؟ یہ کثرت سے پوچھے جانے والے سوالوں میں سے ایک ہے۔ سوال کرنے والا خوب جانتا ہے کہ سُور اپنی ہی خارج شدہ غلاظت کھاتا ہے، جراثیمی بیماریوں کا باعث ہے اور یوں انسانی صحت کے لئے مضر ہے۔ اس پر بھی جب اسے حقیقت حال بتائی جاتی ہے، وہ ناپسندیدگی کا اظہار کرتا ہے۔ تاہم اس کا اصل مقصد مناسب جواب کا حصول نہیں ہوتا بلکہ دین کو اُلجھانا ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کا انجام قرآن میں بیان کیا گیا ہے۔

**"اور جو لوگ ہماری نشانیوں کو پست کرنے کے درپے رہتے ہیں وہی دوزخی ہیں۔" (الحج 51)**

**"جو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس میں کجی تلاش کر لیتے ہیں۔ یہی آخرت کے منکر ہیں۔" (هود 19)**

اگرچہ ایسے امثال فضول ثابت ہو جائیں، فوراً دوسرے امثال بنا لیے جاتے ہیں۔ چونکہ اصل مقصد ہدایت یافتہ ہونا یا شک وشبہات میں کمی کرنا نہیں بلکہ نقص کی تلاش ہوتا ہے۔ اگر وہ دیے گئے جوابات پر مخلص دل سے غور کرے تو وہ قائل ہو جائے اور اسے ماننا پڑے کہ یہ کتنے معقول ہیں۔ تاہم وہ اس سے اجتناب کرتا ہے کیونکہ وہ اپنے منصوبوں اور طرز زندگی کو کسی نئے معیار کے موافق بنا کر ان میں کوئی تبدیلی کرنا نہیں

چاہتا، انجام کروہ اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتا ہے تا کہ حقیقت نہ سن سکے جیسا کہ قرآن میں بیان کیا گیا ہے۔

**" میں نے جب کبھی انہیں تیری بخشش کے لئے بلایا ، انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیں اور اپنے کپڑوں کو اوڑھ لیا اور اڑ گئے اور بڑا تکبر کیا۔ " (نُوح 7)**

وہ لوگ جو نصیحت قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں انہیں گدھوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔

**" انہیں کیا ہو گیا ہے ؟ کہ نصیحت سے منہ موڑ رہے ہیں۔ گویا کہ وہ بدکے ہوئے گدھے ہیں۔ جو شیر سے بھاگے ہوں۔" (المُدثّر 49 - 51)**

ہمیں پھر قرآن میں خبر دی گئی ہے کہ جو لوگ اسلام سے، قدیم ردِعمل یا بہانے اور تحریفات کی آڑ میں دور بھاگتے ہیں وہ غلط کار اور ظالم ہیں۔

**" اس شخص سے زیادہ ظالم اور کون ہو گا جو اللہ پر جھوٹ باندھے حالانکہ وہ اسلام کی طرف بلایا جاتا ہے اور اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا۔ " (الصّف 7)**

اگر وہ ہوشیار ہے تو وہ اس دعوت کو ایک چیلنج کے طور پر لیتا ہے اور اپنی بیدار مغزی اور چالاکی کو ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ آخر کار کوئی اسے اُلو نہیں بنا سکتا۔ وہ مسلمانوں کو اپنی بڑائی کے جنون اور معاندانہ انداز میں ملتا ہے۔ چونکہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ لوگ اس کی طرح صرف اپنی مرضی کی بات کی طرف راغب ہوتے ہیں، اُسے اللہ کی خاطر مسلمانوں کی مخلصانہ خودداری کی کوششیں سمجھ ہی نہیں آتیں۔ وہ مومنوں کے اتحاد اور استحکام کو اپنے جاہلانہ نقطۂ نظر پیش کر کے واضح کرتا ہے۔ "اس سب کے پیچھے کچھ ضرور ہے" وہ یہ کہتا ہے کہ شکی مزاج ہونا اس کی عقلمندی کی دلیل ہے۔

**" اور جب ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان والے ہیں اور جب اپنے بڑوں کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں ہم تو اُن سے صرف مذاق کرتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ بھی ان سے مذاق کرتا ہے اور انہیں ان کی سرکشی اور بھکاوے میں اور بڑھا دیتا ہے ۔ " (البقرہ 14 - 15)**

درحقیقت مسلمانوں کے ساتھ اس کے غیر مخلصانہ، تعصّبانہ، معاندانہ روّیے کا خصوصاً اس سے تعلق نہیں ہے۔ ازروئے تاریخ تمام جاہل لوگوں نے بالکل یہی حربے استعمال کئے اور اسی طرزِ عمل کا اظہار کیا۔ تمام زمانوں میں ذہنیت، طریقہ کار اور مثالیں گھڑنے میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔

**" بلکہ ان لوگوں نے بھی ویسی ہی بات کہی جو اگلے کہتے چلے آئے۔" (المومنون 81)**

وہ یا تو وحی کو رد کر دیتے ہیں یا ان کا مفہوم بگاڑ دیتے ہیں تا کہ اُن کو اپنی اغراض کے مطابق بنا لیں۔ وہ قرآن کے علاوہ دوسرے معیار تجویز کرتے ہیں۔

**" تمہیں کیا ہو گیا، کیسے فیصلے کر رہے ہو؟ کیا تمہارے پاس کوئی**

**کتاب ہے جس میں تم پڑھتے ہو؟ کہ اس میں تمھاری من مانی باتیں ہوں ؟ یا**
**تم نے ہم سے کچھ قسمیں لی ہیں ؟ جو قیامت تک باقی رہیں کہ تمھارے**
**لئے وہ سب ہے جو تم اپنی طرف سے مقرر کر لو ۔ " (القلم 36-39)**

جب وہ جاہلوں میں شامل ہوتا ہے، اسے اپنے مسلمان ہونے کا مشکل سے احساس ہوتا ہے۔ وہ اس بات پر بالکل غور نہیں کرتا کہ اس کے اعمال، رویے، دوسروں سے تعلقات یا اس کا طرز زندگی قرآنی معیار کے مطابق ہے یا نہیں ۔ تاہم جب وہ سچے مسلمان سے ملتا ہے تو اسے اچانک اپنے مسلمان ہونے کا احساس ہوتا ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ وہ بہت مذہبی ہے۔ وہ اپنے آپ کو مذہبی ثابت کرنے کے لئے ایسے فقرے کہتا ہے "الحمدللہ میں مسلمان ہوں، میں کبھی عید کی نماز نہیں چھوڑتا، میں رمضان میں روزے کے دوران شراب نہیں پیتا۔ " اس قسم کے بیانات اس کی نفسیاتی حالت کے عکاس ہیں جب کہ وہ اپنی اصل شخصیت کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔

کچھ مکار لوگ ایک قدم آگے بڑھ کر ایسا کردار ادا کرتے ہیں جیسے وہ سب سے زیادہ مذہبی ہوں وہ اپنے آپ کا ان لوگوں سے موازنہ کرتے ہیں جو دین کی بگڑی ہوئی شکل پر عمل پیرا ہیں اور اعلان کرتے ہیں میرا دل پاک ہے، میں ان سب مذہبی نظر آنے والے لوگوں سے زیادہ مذہبی ہوں ۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ جانتا ہے کہ کون سیدھے رستے پر ہے اور وہ دوسرے لوگوں کے ان غیر مذہبی طرز زندگی پر نقطہ چینی کرنے پر اعتراض کرتے ہیں باوجود اس کے کہ وہ کھلے عام سود اور زنا کاری جیسی ناجائز سرگرمیوں میں مبتلا ہوں ۔

یقیناً اللہ جانتا ہے کون سیدھے راستے پر ہے اور کون نہیں لیکن وہ ہمیں ہدایت دیتا ہے۔ یہ بتاتے ہوئے کہ سچا مومن بننا صرف قرآن میں بیان کردہ مومنانہ صفات رکھنے سے ممکن ہے جیسا کہ قرآن کے معیارات بہت واضح ہیں ۔ وہ شخص جو اپنے آپ کو برتر ہونے کا دعویٰ قرآن کے علم کے بغیر کرتا ہے وہ اپنے آپ کو بے عزت کرتا ہے۔

ایسے لوگوں کی سب سے بڑی غلطی ان کا یہ سمجھنا ہے کہ وہ دوسروں کو دھوکہ دے سکتے ہیں تاہم سچے مومن ایسے لوگوں کو، اپنی سمجھ بوجھ اور اللہ کی طرف سے دی گئی قابلیت اس کے ساتھ ساتھ قرآن کے دیے ہوئے علم کی بدولت با آسانی پہچان لیتے ہیں۔

علاوہ ازیں اللہ جو دلوں کے راز تک جانتا ہے (آل عمران 119) ان کو دیکھتا اور ان سے بہتر جانتا ہے۔ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ کو دھوکہ دے سکتے ہیں جیسے وہ دوسرے لوگوں کو دیتے ہیں۔ قیامت کے دن اللہ کے سامنے ان کا کوئی عذر قبول نہ کیا جائے گا۔

# دُنیا اور آخرت

**"مرغوب چیزوں کی محبت لوگوں کے لئے مزین کر دی گئی ھے، جیسے عورتیں اور بیٹے اور سونے اور چاندی کے جمع کئے ھوئے خزانے اور نشاندار گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی، یہ دُنیا کی زندگی کا سامان ھے اور لوٹنے کا اچھا ٹھکانہ تو اللہ تعالی ھی کے پاس ھے۔ آپ کہہ دیجئے ! دُنیا کی زندگی سے بہت ھی بہتر چیز بتاؤں ؟ تقویٰ والوں کے لئے ان کے رب تعالیٰ کے پاس جنتیں ھیں جن کے نیچے نہریں بہہ رھی ھیں جن میں وہ ھمیشہ رھیں گے اور پاکیزہ بیویاں اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی ھے، سب بندے اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ھیں۔" (آل عمران 14 - 15)**

فی الواقع دین میں کجی تلاش کرنے کی تمام کوششیں، آخرت کی حقیقت کے بارے میں سمجھ کی کمی کے باعث وجود میں آتی ہیں جبکہ قرآن میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دُنیا ہمارے لئے عارضی گھر کے طور پر تخلیق کی ہے۔ یہ ایمان والوں کا امتحان لینے کے لئے ہے۔ ان کو پاک کرنے، انہیں جنت کے قابل بنانے اور کافروں کے خلاف حق کی گواہی دینے کے لئے ہے۔

تاہم جاہلی معاشرے کے ارکان اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور صرف اس دُنیا کو تھامے ہوئے ہیں جیسے یہ کبھی ختم نہ ہوگی ۔ یہ دلیل جاہلی معاشرے کی ذہنیت کی ہے جسے ہم نے اس کتاب میں مسلسل بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ "زندگی چھوٹی ہے مزے کرو"، " زندگی ایک بار ملتی ہے اس لئے اس سے لطف اندوز ہو۔" ایسے بیانات درحقیقت اس ذہنیت کی صاف ترجمانی کرتے ہیں جو لوگوں کو دینی فرائض اور آخرت پر توجہ کئے بغیر زندگی گزارنے کی ترغیب دیتے ہیں ۔ جب تک تم زندہ ہو تمہیں زندگی سے لطف اندوز ہونا چاہئے ۔ آپ اپنے فائدے اور دل لگی کے لئے کچھ بھی کر سکتے ہیں کیونکہ جاہلی معاشرے میں جب تک آپ کسی چیز سے استفادہ کرتے رہیں اس میں کوئی خرابی نہیں اس نقطہ نظر سے ہر چیز جائز ہے۔

جاہلی معاشرہ گہری جہالت میں غرق ہے۔ ظاہر ہے کہ موت ایک ناگزیر انجام ہے اور یہ کہ زمین پر بسنے والے ہر ذی روح کو جلد یا بدیر آ کر رہے گی ۔ پھر بھی جاہل لوگ اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور اسے ممکن حد تک اپنے ایجنڈے سے باہر رکھتے ہیں ۔ وہ تندہی سے اس کے بارے میں سوچنے سے گریز کرتے ہیں اور لوگوں کو اس کے بارے میں بات کرنے سے روکتے ہیں ۔ ہر شخص ایسے زندگی گزارتا ہے جیسے وہ کبھی موت سے ہمکنار نہ ہو گا ۔ اگرچہ وہ اللہ کے وجود کا انکار نہیں کرتے ۔ جب اُن سے سوال کیا جاتا ہے تو وہ آخرت میں بھی ایمان رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں جیسے یہ ایک مسلمان ہونے کی لازمی شرط ہے۔ تاہم ان کے اعمال اس کے برعکس ہیں یہاں کے آخرت میں ایمان کی کمی کی وجہ سے ہے۔

**"بے شک یہ لوگ جلدی ملنے والی (دنیا) کو چاھتے ھیں اور اپنے پیچھے ایک بڑے بھاری دن کو چھوڑے دیتے ھیں۔" (الانسان 27)**

**"بلکہ سب سے زیادہ دُنیا کی زندگی کا حریص اے نبیؐ! آپ انھیں کو پائیں گے۔ یہ حرص زندگی میں مشرکوں سے بھی زیادہ ھیں۔ ان میں سے تو ھر شخص ایک ایک ھزار سال کی عمر چاھتا ھے ، گویا یہ عمر دیا جانا بھی انھیں عذاب سے نہیں چھڑا سکتا، اللہ تعالیٰ ان کے کاموں کو بخوبی**

**دیکھ رہا ہے۔" (البقرہ 96)**

**"یقین جانو! کہ یہ لوگ اپنے رب کے رو برو جانے سے شک میں ہیں، یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔" (حٰم السجدہ 54)**

چونکہ وہ یہ سوچتے ہیں کہ ان کی موت ان کے وجود کا حتمی انجام ہوگا، ان کی ہمیشہ جینے کی خواہش دوسری طرح پوری ہوتی ہے۔ جاہلوں کی اکثریت اپنے پیچھے کچھ ایسی چیز چھوڑ کر جانا چاہتے ہیں تا کہ ان کی موت کے بعد لوگ ان کو یاد کریں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ایسا کرنے سے وہ لوگوں کے ذہنوں میں رہیں گے۔ وہ اس بات سے ناواقف ہیں کہ ان کی سوچ کا یہ انداز کتنا نامعقول ہے۔ اپنی آخرت کے لئے کچھ اچھے اعمال کرنے کے بجائے وہ دُنیا میں اپنا ایک "نام" بنانا چاہتے ہیں جو کہ ان کی موت کے بعد نا قابلِ فراموش ہو۔ ان کا کوئی عمل انہیں فائدہ نہ دے گا۔

**"جبکہ ان سے ان کے بھائی ہودؑ نے کہا کہ کیا تم ڈرتے نہیں؟ میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں۔ پس اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو! میں اس پر تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا، میرا ثواب تو تمام جہان کے پروردگار کے پاس ہی ہے۔ کیا تم ایک ایک ٹیلے پر بطور کھیل تماشا یادگار (عمارت) بنا رہے ہو۔ اور بڑی صنعت والے (مضبوط محل) تعمیر کر رہے ہو گویا کہ تم ہمیشہ یہیں رہو گے۔" (الشُعرآء 124-129)**

**"جو مال جمع کرتا جائے اور گنتا جائے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اُس کا مال اس کو ہمیشگی عطا کرے گا۔" (الھُمَزۃ 2-3)**

عقیدہ آخرت دُنیا کی اس زندگی میں موت کے دکھ کو دبانے کے لئے ایک قسم کی تسلی یا ڈھارس ہے حتیٰ کہ بہت سے مذہبی لوگ بھی اسے توہم خیال کرتے ہیں۔ وہ اس پر ایمان لانے کا انتخاب اس لئے کرتے ہیں کہ شاید اگر ایسا ہو۔ وہ یقین رکھتے ہیں کہ آخرت میں ان کا جنت میں داخلہ یقینی ہے دلچسپ بات یہ ہے کہ جو آخرت کو اس نظر سے دیکھتے ہیں وہ اپنے کو جنت کے لوگ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ سورۃ الکہف میں ذکر کردہ شخص جاہلی معاشرے کے عام نقطہ نظر کا عکاس ہے۔

**"اور انہیں ان دو شخصوں کی مثال بھی سُنا دے۔ جن میں سے ایک کو ہم نے دو باغ انگوروں کے دیے تھے اور کھجوروں کے درختوں سے ہم نے گھیر رکھا تھا اور دونوں کے درمیان کھیتی لگا رکھی تھی۔**

**دونوں باغ اپنا پھل خوب لائے اور اس میں کسی طرح کی کمی نہ کی اور ہم نے ان باغوں کے درمیان نہر جاری کر رکھی تھی۔**

**الغرض اس کے پاس میوے تھے، ایک دن اس نے باتوں ہی باتوں میں اپنے ساتھی سے کہا کہ میں تجھ سے زیادہ مال دار ہوں اور جتھے کے اعتبار سے بھی زیادہ مضبوط ہوں۔**

**اور یہ اپنے باغ میں گیا اور تھا اپنی جان پر ظلم کرنے والا۔ کہنے لگا کہ میں**

خیال نہیں کر سکتا کہ کسی وقت بھی یہ برباد ہو جائے۔
اور نہ میں قیامت کو قائم ہونے والی خیال کرتا ہوں اور اگر (بالفرض) میں اپنے رب کی طرف لوٹایا بھی گیا تو یقینا میں (اس لوٹنے کی جگہ) اس سے بھی زیادہ بہتر پاؤں گا۔
اس کے ساتھی نے اس سے باتیں کرتے ہوئے کہا کہ کیا تو اس (معبود) سے کفر کرتا ہے جس نے تجھے مٹی سے پیدا کیا ۔ پھر نطفے سے پھر پورا آدمی بنا دیا۔
لیکن میں تو عقیدہ رکھتا ہوں کہ وہی اللہ میرا پروردگار ہے میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ کروں گا ۔ تُو نے اپنے باغ میں جاتے وقت کیوں نہ کہا کہ اللہ کا چاہا ہونے والا ہے، کوئی طاقت نہیں مگر اللہ کی مدد سے، اگر تو مجھے مال و اولاد میں اپنے سے کم دیکھ رہا ہے۔
بہت ممکن ہے کہ میرا رب مجھے تیرے اس باغ سے بھی بہتر دے اور اس پر آسمانی عذاب بھیج دے تو یہ چٹیل اور چکنا میدان بن جائے یا اس کا پانی نیچے اُتر جائے اور تیرے بس میں نہ رہے کہ تو اسے ڈھونڈ لائے۔
اور اس کے سارے پھل گھیر لئے گئے ، پس وہ اپنے اس خرچ پر جو اس نے اس میں کیا تھا اپنے ہاتھ ملنے لگا اور وہ باغ تو اوندھا اُلٹا پڑا تھا ۔ اور (وہ شخص) یہ کہہ رہا تھا کہ کاش! میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کرتا۔ اس کی حمایت میں کوئی جماعت نہ اُٹھی کہ اللہ سے اس کا کوئی بچاؤ کرتی اور نہ وہ خود ہی بدلہ لینے والا بن سکا۔ یہیں سے (ثابت ہے) کہ اختیارات اللہ برحق کے لئے ہیں وہ ثواب دینے اور انجام کے اعتبار سے بہت ہی بہتر ہے۔" (الکہف 32-44)

قرآن کی ایک دوسری سورۃ میں ہمیں اسی ذہنیت والے شخص کی ایک اور مثال ملتی ہے جب وہ یہ کہتا ہے" کہ اگر میں رب کی طرف لوٹایا گیا" وہ درحقیقت آخرت کے بارے میں اپنے کفر کا اعتراف کرتا ہے۔

"اور جو مصیبت اسے پہنچ چکی ہے اس کے بعد اگر ہم اسے کسی رحمت کا مزہ چکھائیں تو وہ کہہ اٹھتا ہے کہ اس کا تو میں حقدار ہی تھا اور میں تو خیال نہیں کر سکتا کہ قیامت قائم ہو گی اور اگر میں اپنے رب کے پاس واپس کیا گیا تو بھی یقیناً میرے لئے اس کے پاس بہتری ہے یقیناً ہم ان کفار کو ان کے اعمال سے خبردار کریں گے اور انہیں سخت عذاب

**کا مزہ چکھائیں گے۔" (حٰم السجدہ 50)**

درحقیقت یہ سمجھنا مشکل ہے کہ جاہلی معاشرے کے لوگ اپنے اندھے پن پر کیوں جمے رہتے ہیں اگر کوئی شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے تو پھر وہ ضرور اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ آخرت کا وجود ضرور ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ انسان کی تخلیق کرتا ہے، اسے زندگی گزارنے کا موقع دیتا ہے۔ اسے بیش بہا نعمتیں عطا کرتا ہے اور اس پر عظیم شفقت اور رحمت کا برتاؤ کرتا ہے۔ پھر وہ اسے ایک خاص عمر میں فنا کیوں کر دینا چاہتا ہے؟

آیئے اس موضوع پر ایک عظیم سکالر کی دی ہوئی مثال کو یاد کرتے ہیں۔ کیا ایک ماں اپنے بچے کو اتنے سال پرورش کے بعد مارنا چاہے گی؟ درحقیقت ایک ماں اپنے بچے کی بہت دیکھ بھال کرتی ہے اور اس کے لئے بہت شفقت کے جذبات رکھتی ہے۔ وہ اسے کوئی ضرر پہنچانے کا تصور بھی نہیں کرسکتی ایسا چاہنا تو دور کی بات ہے۔ جب یہ جذبات اُسے اللہ نے عطا کیے ہیں جو شفقت و رحمت اور ہر بھلائی جسے ہم جانتے ہیں، کا حقیقی مالک ہے تو کوئی یہ کیوں سمجھتا ہے کہ اللہ انسان کو فنا کر دیتا ہے جس کو اس نے تخلیق کیا اور ہر قسم کی نعمتیں عطا کیں خصوصاً جب وہ بندے اس کے شکرگزار بھی ہوں اور اس کے بندے بننا پسند کریں۔

اگر برُے لوگ مر جاتے اور اچھے ہمیشہ زمین پر جیتے تو شاید ہم سوچ سکتے تھے کہ موت ہی آخری انجام ہے۔

**"ہر ذی روح کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔" (الانبیاء 35)**

اللہ تعالیٰ بندے کو ایک خاص وقت تک زندگی کی مہلت دینے کے بعد اسے موت سے ہمکنار کر دیتے ہیں۔

**"کیا ہم نے تمہیں اتنی لمبی زندگی عطا نہ کی تھی کہ تم نصیحت قبول کرتے؟ اور تنبیہ کرنے والا بھی تمہارے پاس آیا تھا۔" (الفاطر 37)**

اتنا لمبا عرصہ ہم سب کے لئے انتخاب کرنے کو کافی ہے۔

اس عرصے میں لوگوں کو یہ احساس کرنا چاہیئے کہ اُن کی رُوحیں غیر فانی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہم سب کے اندر بہت سی چیزوں کی طلب رکھی ہے اور اس نے ہمیں وہ سب عطا فرمایا ہے جس کے ہم ضرورت مند ہیں اور چاہت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری تخلیق اس طرح فرمائی ہے کہ ہم بھوک محسوس کرتے ہیں اور اس نے زمین میں بے شمار خوراک مہیا کی ہے۔ اس نے ہمارے اندر پیاس کے احساسات رکھ کر اسی وقت انسانوں کے لئے پانی کے ذرائع تخلیق فرما دیے جب اس نے زمین بنائی۔ پھر اس طرح کیا اللہ ہمیں ہمیشگی کی زندگی عطا نہ کرے گا جب کہ اس نے ہمارے اندر ہمیشہ زندہ رہنے کی خواہش پیدا کی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین پر اپنا خلیفہ بنایا ہے اور دوسری مخلوق جیسے سورج، ستارے اور زمین کو اس کی خدمت کے لئے لگا دیا ہے۔ آخر کار اللہ کی اس کمال تخلیق کے بعد یہ سوچنا نامعقول ہوگا کہ وہ انسانیت کو ایک مقررہ وقت تک زمین پر زندہ رکھے گا اور پھر ہمیشہ کے لئے اس کی زندگی کا خاتمہ کر دے گا۔ مختصراً، جب ہم یہاں سے رخصت ہو جاتے ہیں تو ہم لاشیئت میں گم نہیں ہو جاتے بلکہ اپنی اصل زندگیوں میں قدم رکھتے ہیں۔

ایک سوچنے والے شخص کے لئے یہ بات عیاں ہے کہ اس دُنیا کی زندگی عارضی ہے اور اصل زندگی کا صرف ایک نمونہ۔ اس زندگی کی تمام رونقیں عارضی ہیں اور خامیوں سے بھرپور۔

خوبصورت ترین انسان بھی اپنی ظاہری شکل کو ایک یا دو دہائیاں ہی قائم رکھ سکتا ہے۔ جونہی وہ بوڑھا ہوتا ہے اس کی ظاہری ہیئت بدلنے لگتی ہے، اس کی جلد جھریوں سے بھر جاتی ہے۔ اس کا جسم اپنی بناوٹ کھونے لگتا ہے اور وہ بڑھاپے کی وجہ سے بہت سی بیماریوں کا شکار ہونے لگتا ہے اس دنیا کی زندگی کی کوتاہیوں کا احساس ہونے کے لئے بڑھاپے کی ضرورت نہیں، اس کے جسمانی نظام بہت سی کمزوریاں رکھتے ہیں۔ اگر وہ کچھ دن غسل نہیں کرتا تو اس سے بدبو آنے لگتی ہے۔ وہ چاہے کتنا ہی پرکشش کیوں نہ ہو اُسے ہر انسان کی طرح بیت الخلاء استعمال کرنا ہوتا ہے اور اپنی پوری زندگی ہر روز اپنی ہر قسم کی کمزوریوں سے نبٹنا پڑتا ہے۔

چونکہ لوگ اس سب کے عادی ہو چکے ہیں اس لئے وہ اس بات سے لاعلم ہیں کہ یہ کمزوریاں اُن کو بالقصد دی گئی ہیں ۔ وہ ان کمزوریوں کا پایا جانا بالکل حسبِ معمول خیال کرتے ہیں اور کبھی نہیں سوچتے کہ اس کا نعم البدل بھی ہو سکتا ہے تا ہم اللہ کی تخلیق مکمل ہے۔ جب ہم کائنات کی تخلیق کو دیکھتے ہیں، زمین، قوانین قدرت، پیچیدہ جسمانی ساخت والے جانداروں سے ایک خلیے والے جاندار، ہم صاف دیکھ سکتے ہیں کہ ہر ایک میں کمال درجے کا نظم اور نمونہ ہے اس لئے اگر اللہ چاہتا تو لوگوں میں اوپر بیان شدہ کمزوریاں نہ ہوتیں لیکن یہ سب اس لئے ہے تا کہ لوگوں کو یاد رہے کہ وہ اللہ کے ضرورت مند ہیں ۔ یہ لوگوں کو ایک بات کی یاددہانی کرانے کے لئے بھی ہیں کہ اس دُنیا کی زندگی آخرت کی اصل زندگی کی ایک جھلک ہے جو ہر عیب اور نقص سے پاک ہوگی۔

**"خوب جان رکھو کہ دُنیا کی زندگی صرف کھیل تماشا زینت اور آپس میں فخر و(غرور) اور مال اور اولاد میں ایک کا دوسرے سے اپنے آپ کو زیادہ بتلانا ہے، جیسے بارش اور اس کی پیداوار کسانوں کو اچھی معلوم ہوتی ہے پھر جب وہ خشک ہو جاتی ہے تو زرد رنگ میں اس کو تم دیکھتے ہو پھر وہ بالکل چورا چورا ہو جاتی ہے اور آخرت میں سخت عذاب اور اللہ کی مغفرت اور رضامندی ہے اور دُنیا کی زندگی بجز دھوکے کے سامان کے اور کچھ بھی تو نہیں۔" (الحدید 20)**

پھر کوئی یہ سوال کر سکتا ہے "اصل زندگی کس طرح کی ہے؟" یہ سب کو معلوم ہے کہ آخرت میں دو قیام گاہیں ہوں گی ۔ ایک مومنوں کے لئے جنت اور دوسری کافروں کے لئے جہنم تا ہم جاہلی معاشرے جنت اور جہنم کے بارے میں کہانیاں گھڑنے سے بھی نہیں چوکے اس لئے ہمیں پھر قرآن سے رجوع کرنا ہوگا تا کہ آخرت کی حقیقی حالت کو سمجھیں۔

# جنت: مومنوں کا اصل گھر

**" (آؤ) دوڑو رب کی مغفرت کی طرف اور اس جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان و زمین کی وسعت کے برابر ھے۔ یہ ان کے لئے بنائی گئی ھے جو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ھیں یہ اللہ کا فضل ھے جسے چاھے دے اور اللہ بڑے فضل والا ھے۔ (الحدید 21)**

**۔ " یہ وھاں جو چاھیں گے انھیں ملے گا (بلکہ) ھمارے پاس اور بھی زیادہ ھے۔ " (قٓ 35)**

مومنوں کا ابدی گھر جنت ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی جزا ان کو باغات میں داخلے کی صورت میں دے گا جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ جنت وہ جگہ ہے جہاں مومنین جو چاہیں گے ان کو ملے گا اور ان کے چاہنے سے بھی بڑھ کر کیونکہ جنت کی رنگینیاں ان کے تصور سے باہر ہیں۔

لیکن جنت کا عام تصور قرآن کے بیان سے بہت مختلف ہے۔ روایتی نقطہ نظر کے مطابق جنت شرق کا ایک بہتر نمونہ ہے خصوصاً جہاں عرب تہذیب پائی جاتی ہے اس نظریے کے مطابق جنت ایسی جگہ ہے جہاں ٹیکنالوجی کا فقدان ہے اور لوگ وہاں کی قدرتی رعنائیوں جیسے درخت اور نہروں سے لطف اندوز ہوں گے۔ جہاں تک جنت کے ساغر و پیالوں کا تعلق ہے ان کو سترھویں صدی کے کے شرق وسطی کے ساغر سے ملتا جلتا تصور کیا جاتا ہے مثال کے طور پر سلطنتِ عثمانی۔ لوگ عموماً جنت کے لباس کی تصویر کا خاکہ کھلے پاجامے کی جدید شکل، مذہبی نمونے کی قبا اور پگڑی بناتے ہیں۔ وہ حور کو جس کی خوبصورتی کی تعریف قرآن میں بہت کی گئی ہے، بہت حسین تصور کرتے ہیں لیکن ان کی خوبصورتی کا تصور روایتی سلطنت عثمانی پردہ نشین عورتوں تک محدود ہے یا دوسرے معیار کے مطابق، جس جگہ یا تہذیب سے ان کا تعلق ہو۔

یہ تمام غلط گمان ان لوگوں کی عیب دار ذہنیت کی پیداوار ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ شرقی دُنیا اللہ کی تخلیق ہے اور مغربی دُنیا اس تخلیق سے الگ چیز ہے۔

جہاں وہ مغربی دُنیا کے گرے ہوئے اخلاقی معیار سے بچنا چاہتے ہیں وہ اس کی خوبیوں کو بھی نظر انداز کرنا چاہتے ہیں جیسے ٹیکنالوجی، آسائش اور مغربی طرز کا جمال اللہ کی ملکیت نہیں جو کہ ہر چیز کا مالک ہے۔ ٹیڑھا منطق درحقیقت یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مکہ میں موجود ہے لیکن لاس اینجلس میں نہیں۔ حتیٰ کہ مغربی دُنیا میں رہنے والے مسلمانوں کی اکثریت اس بات کی قائل ہے کہ جنت شرقی طرز کی ہوگی۔

تاہم حقیقت حال ایسے نہیں۔ **" اللہ تعالیٰ ھر چیز پر قادر ھے۔ اس کا علم ھر چیز پر محیط ھے۔ " (الطلاق 12)**

**" اور وہ تمام مشرق و مغرب کا مالک ھے " (المعارج 40)**

اس لئے جنت کا اس دُنیا کی خوبصورتیوں میں سے قطع نظر اس کے کہ اس کا تعلق شرق سے ہے یا مغرب سے، کسی سے مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔

ورنہ جنت، جنت نہ ہوگی۔ جنت میں گھر اس دُنیا کے خوبصورت ترین محلات سے کہیں بہتر ہوں گے۔ جنت کے لباس کی تعریف کردہ خوبصورتیاں فرانسیسی یا اطالوی فیشن گھروں سے کہیں بڑھ کر باوقار اور حسین ہوں گی۔ جنت کی عورتیں ضروری نہیں کہ شرقی رقاصاؤں جیسی نظر آئیں بلکہ وہ ٹاپ ماڈل اور کور گرلز سے کہیں بڑھ کر پرکشش ہوں گی کیونکہ ان کی خوبصورتی جیسا کہ قرآن اور اسلامی ادب میں بیان کیا گیا ہے بے مثال ہے۔

تمام اسلامی تصورات ضروری نہیں شرقی ہوں۔ جب کوئی قرآن کو بہت توجہ دیے بغیر پڑھتا ہے تو وہ شاید یہ تاثر لے کہ جنت کے باغات میں ٹیکنالوجی کا وجود نہ ہوگا۔ یہ اس لئے کہ قرآن جو کہ چودہ سو سال پہلے نازل ہوا، جنت کو ایسے انداز میں بیان کرتا ہے جو تمام زمانوں کے لوگوں کو سمجھ آجائے۔ قرآن آفاقی ہے اور تمام ادوار پر لاگو۔ یہ یقیناً جنت کے کسی ٹیکنالوجی پہلو کی طرف صریح دلالت نہیں کرتا کیونکہ مختلف زمانوں کے لوگ بشمول ہمارے شاید اس ٹیکنالوجی کو نہ جانتے ہوں۔ دوسری طرف ہمیں یہ سمجھایا گیا ہے کہ ہم جو چاہیں گے، انعام دیا جائے گا۔

**"وہاں وہ سب کچھ ہو گا جو تمہارے نفس چاہیں اور جس سے آنکھیں لذّت پائیں اور تم اس میں ہمیشہ رہو گے۔" (الزخرف 71)**

ایک دوسری آیت میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ جنت میں ہماری خواہشات سے بھی بڑھ کر ہوگا۔

**"یہ وہاں جو چاہیں انہیں ملے گا (بلکہ) ہمارے پاس اور بھی زیادہ ہے۔" (قٓ 35)**

اس لئے ہر چیز، ٹیکنالوجی سمیت، اگر جنت کے باشندے اس کی تمنا کریں جنت میں میسر ہوگی۔ سورۃ الرحمٰن جنت کو یوں بیان کرتی ہے۔

**"اور اس شخص کے لئے جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا دو جنتیں ہیں۔**

**پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟**

**دونوں جنتیں بہت سی ٹہنیوں اور شاخوں والی ہیں۔**

**پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟**

**ان دونوں (جنتوں) میں دو بہتے ہوئے چشمے ہیں۔**

**پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟**

**ان دونوں جنتوں میں ہر قسم کے میوئوں کی دو قسمیں ہوں گی۔**

**پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟**

**جنتی ایسے فرشوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے جن کے استر دبیز ریشم کے ہوں گے، اور ان دونوں جنتوں کے میوے بالکل قریب ہوں گے۔**

**پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟**

**وہاں (شرمیلی) نیچی نگاہ والی حوریں ہیں جنہیں ان سے پہلے کسی جن و انس نے ہاتھ نہیں لگایا**

**پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟**

**وہ حوریں مثل یاقوت اور مونگے کے ہوں گی۔**

**پس تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟**

**احسان کا بدلہ احسان کے سوا کیا ہے؟**

پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

اور ان کے سوا دو جنتیں اور ہیں۔

پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

جو دونوں گھری سبز سیاہی مائل ہیں۔

بتاؤ اب اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

ان میں دو (جوش سے) ابلنے والے چشمے ہیں ۔

پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

ان دونوں میں میوے اور کھجور اور انار ہوں گے۔

کیا اب بھی رب کی کسی نعمت کی تکذیب تم کرو گے؟

ان میں نیک سیرت خوبصورت عورتیں ہیں ۔

پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

(گوری رنگت کی) حوریں جنتی خیموں میں رہنے والیاں ہیں۔

پس(اے انسانو اور جنو!) تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

ان کو ہاتھ نہیں لگایا کسی انسان یا جن نے اس سے قبل

پس اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کے ساتھ تم تکذیب کرتے ہو؟

سبز مسندوں اور عمدہ فرشوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے۔

پس (اے جنو اور انسانو! ) تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

تیرے پروردگار کا نام بابرکت ہے جو عزت و جلال والا ہے ۔ " (الرّحمن 46-78)

جنت بہت سی دوسری آیات میں بیان کی گئی ہے۔

"تُو وہاں جہاں کہیں بھی نظر ڈالے گا سراسر نعمتیں اور عظیم الشان سلطنت ہی دیکھے گا۔" (الدھر 20)

"یہ وہاں تختوں پرتکیے لگائے بیٹھیں گے ۔ نہ وہاں آفتاب کی گرمی دیکھیں گے نہ جاڑے کی سختی۔" الدھر 13)

"جہاں کوئی بیہودہ بات نہیں سنیں گے۔" (الغاشیۃ 11)

"اور ان کے پاس نیچی نظروں ، بڑی بڑی آنکھوں والی (حوریں) ہوں گی۔" (الصفت 48-49)

"اور کہیں گے کہ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے ہم سے غم دور کیا

بیشک همارا پرودگار بڑا بخشنے والا بڑا قلردان هے۔ جس نے هم کو اپنے فضل سے، همیشه رهنے کے مقام میں لا اتارا جهاں نه هم کو کوئی تکلیف پهنچے گی اور نه هم کو کوئی تهکاوٹ هو گی" (الفاطر 34-35)

"هاں وه لوگ جو اپنے رب سے ڈرتے رهے ان کے لئے بالا خانے هیں جن کے اوپر بهی بنے بنائے بالا خانے هیں اور ان کے نیچے نهریں بهه رهی هیں رب کا وعله هے اور وه وعله خلافی نهیں کرتا۔" (الزمر 20)

اللہ اپنے بندوں کا یوں استقبال کرے گا

"اے اطمینان والی رُوح تُو اپنے رب کی طرف لوٹ چل اس طرح که تو اس سے راضی وه تجه سے خوش پس میرے خاص بندوں میں داخل هو جا اور میری جنت میں چلی جا۔" (الفجر 27-30)

# جہنم کافروں کے لئے تیار شدہ

" چھوڑ دو مجھے اور اس شخص کو جسے میں نے اکیلا پیدا کیا ، بہت سا مال اس کو دیا ، اس کے ساتھ حاضر رہنے والے بیٹے دیے اور اس کے لئے ریاست کی راہ ہموار کی، پھر وہ طمع رکھتا ہے کہ میں اسے اور زیادہ دوں ۔ ہر گز نہیں وہ ہماری آیات سے عناد رکھتا ہے ۔ میں تو اسے عنقریب ایک کٹھن چڑھائی چڑھواؤں گا۔ اس نے سوچا اور کچھ بات بنانے کی کوشش کی تو خدا کی مار اس پر ، کیسی بات بنانے کی کوشش کی پھر (لوگوں کی طرف) دیکھا پھر پیشانی سکیڑی اور منہ بنایا پھر پلٹا اور تکبر میں پڑ گیا۔ آخر کار بولا کہ یہ کچھ نہیں ہے مگر ایک جادو جو پہلے سے چلا آ رہا ہے ۔یہ تو ایک انسانی کلام ہے۔ عنقریب میں اسے دوزخ میں جھونک دوں گا اور تم کیا جانو کہ کیا ہے وہ دوزخ؟ نہ باقی رکھے اور نہ چھوڑے ۔ کھال جھلس دینے والی " (المدثر 11-29)

جس قدر خوبصورتیاں اور رحمتیں جنت میں ہیں اسی قدر بدصورتی اور عذاب جہنم میں ہے ۔وہ لوگ جنہوں نے اللہ کو اپنا خالق ماننے سے انکار کر دیا ہے ۔جہنم میں ہمیشگی کا عذاب دیے جائیں گے۔

قرآن کی مندرجہ ذیل آیات بتاتی ہیں کہ جہنم کے مستحق لوگ کون ہیں۔

" جو شخص رسول کی مخالفت پر کمر بستہ ہو اور اہلِ ایمان کی روش کے سوا کسی اور روش پر چلے ۔ درآں حالے کہ اس پر راہِ راست واضح ہو چکی ہو تو اس کو ہم اسی طرف چلائیں گے جدھر وہ خود پھر گیا اور اسے جہنم میں جھونکیں گے جو بدترین جائے قرار ہے۔" (النساء 115)

" چھوڑو ان لوگوں کو جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنا رکھا ہے اور جنہیں دُنیا کی زندگی فریب میں مُبتلا کیے ہوئے ہے۔ ہاں مگر یہ قرآن سنا کر نصیحت اور تنبیہہ کرتے رہو کہ کہیں کوئی شخص اپنے کیے کرتوتوں کے وبال میں گرفتار نہ ہو جائے اور گرفتار بھی اس حال میں ہو کہ اللہ سے بچانے والا کوئی حامی و مددگار اور کوئی شفارشی اس کے لئے نہ ہو اور اگر وہ ہر ممکن چیز فدیہ میں دے کر چھوٹنا چاہے تو وہ بھی اس سے قبول نہ کی جائے کیونکہ ایسے لوگ تو خود اپنی کمائی کے نتیجہ میں پکڑے جائیں گے ۔ ان کو اپنے انکارِ حق کے معاوضہ میں کھولتا ہوا پانی

پینے کو اور دردناک عذاب بھگتنے کو ملے گا۔" (الانعام 70)

"دردناک سزا کی خوشخبری دو اُن کو جو سونے اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور انہیں اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ایک دن آئے گا کہ اسی سونے چاندی پر جہنم کی آگ دھکائی جائے گی اور پھر اسی سے ان لوگوں کی پیشانیوں اور پہلوئوں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا۔ (اور کہا جائے گا) یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا ۔ لو اب اپنی سمیٹی ہوئی دولت کا مزہ چکھو۔" (التوبہ 34-35)

"جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈر تو اپنے وقار کا خیال اس کو گناہ پر جما دیتا ہے ۔ ایسے شخص کے لئے تو بس جہنم ہی کافی ہے اور وہ بہت بُرا ٹھکانہ ہے۔" (البقرہ 206)

کافرجہنم کے لائق ہیں ان کی مشترکہ خصوصیت دین کو رد کر دینا ہے جب وہ اسے قبول کرنے کی طرف بلائے جائیں۔

"اس روز صور پھونکا جائے گا اور وہ سب مر کر گر جائیں گے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں سوائے ان کے جنہیں اللہ زندہ رکھنا چاہے۔ پھر ایک دوسرا صور پھونکا جائے گا اور یکایک سب کے سب اٹھ کر دیکھنے لگیں گے۔ زمین اپنے رب کے نور سے چمکنے لگے گی ۔ کتاب اعمال لا کر رکھ دی جائے گی۔ انبیاء اور تمام گواہ حاضر کر دیے جائیں گے لوگوں کے درمیان ٹھیک ٹھیک حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اُن پر کوئی ظلم نہ ہو گا اور ہر متنفس کو جو کچھ بھی اس نے عمل کیا تھا اُس کا پورا پورا بدلہ دے دیا جائے گا لوگ جو کچھ بھی کرتے ہیں۔ اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔

(اس فیصلہ کے بعد) وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تھا ۔ جہنم کی طرف گروہ در گروہ ہانکے جائیں گے۔ یہاں تک کہ جب وہ وہاں پہنچیں گے تو اس کے دروازے کھولے جائیں گے اور اس کے کارندے ان سے کہیں گے "کیا تمہارے پاس تمہارے اپنے لوگوں میں سے ایسے رسول نہیں آئے تھے جنہوں نے تم کو تمہارے رب کی آیات سنائی ہوں اور تمہیں اس بات سے ڈرایا ہو کہ ایک وقت تمہیں یہ دن بھی دیکھنا ہو گا؟" وہ جواب دیں گے "ہاں آئے تھے مگر عذاب کا فیصلہ کافروں پر چپک گیا " کہا جائے گا داخل ہو جاؤ جہنم کے دروازوں میں۔ یہاں اب تمہیں ہمیشہ رہنا ہے بڑا

**ھی بُرا ٹھکانہ ھے یہ متکبروں کے لئے۔" (الزمر 68-72)**

قرآن کے مطابق جہنم کے باشندوں نے اس دنیا میں اللہ کی سزا کو کبھی سنجیدگی سے نہیں لیا تھا۔اس وقت انھوں نے یہ سمجھا کہ اگر جہنم سے بھی جہاں ان کو بھیجا جائے گا تو وہ تھوڑے سے وقت کے لئے وہاں پر رہیں گے اور پھر وہاں سے نکال کر جنت میں داخل کر دیے جائیں گے۔ یہ جاہل معاشرے کے اراکین کا عقیدہ ہے کہ اگر انہیں اپنے گناہوں کی وجہ سے سزا ملے گی تو وہ عارضی طور پر جہنم میں رہیں گے اور جب انھوں نے دنیا میں کئے گئے گناہوں کا بدلہ پا لیا تو انہیں جنت میں داخل ہونے کی اجازت مل جائے گی۔تا ہم قرآن ہمیں بتا تا ہے کہ جہنم کی سزا نہ ختم ہونے والی ہے اور کافروں کے جنت میں جانے کی کوئی امید نہیں۔

**"وہ کھتے ھیں کہ دوزخ کی آگ ھمیں ھر گز چھونے والی نھیں اِلاَّ یہ کہ چند روز کی سزا مل جائے تو مل جائے۔ ان سے پوچھو، کیا تم نے اللہ سے کوئی عھد لے لیا ھے جس کی وہ خلاف ورزی نھیں کر سکتا؟ یا بات یہ ھے کہ تم اللہ کے ذمّے ڈال کر ایسی بات کھہ دیتے ھو جن کا تمھیں علم نھیں" (البقرہ 80)**

**"تم نے دیکھا نھیں کہ جن لوگوں کو کتاب کے علم میں سے کچھ حِصّہ ملا ھے ان کا حال کیا ھے؟انھیں جب کتاب الٰھیٰ کی طرف بلایا جاتا ھے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے، تو ان میں سے ایک فریق اس سے پھلو تھی کرتا ھے اور اس فیصلے کی طرف آنے سے منہ پھیر جاتا ھے۔ ان کا یہ طرز عمل اس وجہ سے ھے کہ وہ کھتے ھیں " آتش دوزخ تو ھمیں مَس تک نہ کرے گی اور اگر دوزخ کی آگ ھم کو ملے گی بھی تو بس چند روز۔" ان کے خود ساختہ عقیلوں نے ان کو اپنے دین کے معاملے میں بڑی غلط فھمیوں میں ڈال رکھا ھے مگر کیا بنے گی اُن پر جب ھم انھیں اس روز جمع کریں گے جس کا آنا یقینی ھے؟ اس روز ھر شخص کو اس کی کمائی کا بدلہ پورا پورا دیا جائے گا اور کسی پر ظلم نہ ھو گا۔" (آل عمران 23-25)**

قرآن کی دوسری آیات جہنم کی ہولنا کی یوں بیان کرتی ہیں۔

**"اور کوئی جگری دوست اپنے جگری دوست کو نہ پوچھے گا حالانکہ وہ ایک دوسرے کو دکھائے جائیں گے۔ مجرم چاھے گا کہ اس دن کے عذاب سے بچنے کے لئے اپنی اولاد کو، اپنی بیوی کو، اپنے بھائی کو، اپنے قریب ترین خاندان کو جو اسے پناہ دینے والا تھا اور روئے زمین کے سب لوگوں کو فدیہ میں دے دے اور یہ تدبیر اسے نجات دلا دے۔ ھر گز نھیں۔**

وہ تو بھڑکتی ہوئی آگ کی لپٹ ہو گی جو گوشت پوست کو چاٹ جائے گی ۔ پکار پکار کر اپنی طرف بُلائے گی ہر اُس شخص کو جس نے حق سے منہ موڑا پیٹھ پھیری اور مال جمع کیا اور سینت سینت کر رکھا۔ " (المعارج 10-18)

" وہ وہاں چلاّ رہے ہوں گے اور وہ وہاں کچھ بھی نہ سن سکیں گے۔ " (الانبیاء 100)

" ایسے گنہگار کے لئے اُس کے آگے جہنم ہے ۔ وہاں اسے کچ لہو کا سا پانی پینے کو دیا جائے گا جسے وہ زبردستی حلق سے اتارنے کی کوشش کرے گا اور مشکل ہی سے اتار سکے گا موت ہر طرف سے اس پر چھائی رہے گی مگر وہ مرنے نہ پائے گا اور آگے ایک سخت عذاب اس کی جان کو لاگو رہے گا۔" (ابراھیم 16-17)

" اس دن تم مجرموں کو دیکھو گے کہ زنجیروں میں ہاتھ پاؤں جکڑے ہوئے ہوں گے ۔ تارکول کے لباس پہنے ہوئے ہوں گے اور آگ کے شعلے ان کے چہروں پر چھائے جا رہے ہوں گے۔" (ابراھیم 49-50)

زقوم کا درخت گناہ گار کی خوراک ہو گا۔ تیل کی تلچھٹ جیسا ، پیٹ میں اس طرح جوش کھائے گا جیسے کھولتا ہوا پانی جوش کھاتا ہے ۔ پکارا جائے گا " پکڑو اسے اور رگیدتے ہوئے لے جاؤ اس کو جہنم کے بیچوں بیچ اور اُنڈیل دو اس کے سر پر کھولتے پانی کا عذاب ۔ چکھ اس کا مزا ، بڑا زبردست عزّت دار آدمی ہے تو۔" (الدُّخان 43-49)

جنت اور جہنم کے بارے میں بیان کردہ تفصیلات حتمی حقائق ہیں اللہ جس نے یہ دُنیا کی زندگی کو تخلیق کیا ہے اس نے قرآن نازل کیا ہے اور ہمیں یہ علم دیا ہے کہ وہ آخرت بھی تخلیق کرے گا۔

جہنم کے لوگوں سے سوال کیا جائے گا" کیا تمہارے پاس تمہارے اپنے لوگوں میں سے ایسے رسول نہیں آئے تھے جنھوں نے تم کو تمہارے رب کی آیات سنائی ہوں اور تمھیں اس بات سے ڈرایا ہو کہ ایک وقت تمھیں یہ دن بھی دیکھنا ہو گا؟ " (الزمّر 71)

اور ان کے لئے جنہوں نے دعوت کو رد کر دیا ہے ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

" مگر اس نے نہ سچ مانا اور نہ نماز پڑھی بلکہ جھٹلایا اور پلٹ گیا ۔ پھر اکڑتا ہوا اپنے گھر والوں کی طرف چل دیا یہ روش تیرے ہی لیے سزا وار

ھے اور تجھی کو زیب دیتی ھے ۔ ھاں یہ روش تیرے ھی لئے سزاوار ھے اور
تجھے ھی زیب دیتی ھے۔" (القیامہ 31-35)

# حصّہ دوم

## ایک نیا رُخ

اس کتاب کے شروع میں ہم نے معاشرے کے ہمارے اندر پہلے سے قیاس کردہ خیالات کا آہستہ آہستہ ذہن نشین کرانے کا ذکر کیا تھا۔ہم نے زور دیا تھا کہ اس شروطیت کی وجہ سے ہم بغیر سوال کیے بہت سے دعوے قبول کر لیتے ہیں جو در حقیقت محتاط جانچ کے محتاج ہیں ۔ یہ بھی بتایا گیا تھا کہ صحیح فیصلہ کرنے کے لئے ہمیں اپنے پہلے خیالات پر نظر ثانی کرنا ہو گی قطع نظر اس کے کہ ہمارا کس موضوع سے واسطہ ہے۔

یہاں اس باب میں ہم موجودہ نظام کے قیاسیات میں سب سے اہم تصور کو چیلنج کریں گے ۔ہم اپنے ایجنڈے پر ایسا موضوع لائیں گے جس کے بارے میں اب تک کم ہی سوچا گیا ۔وہ یہ کہ ہم باہر کی دُنیا کی حقیقی حیثیت کو سمجھنے کی کوشش کریں گے ۔ یہ باہر کی دُنیا جو ہمارے اردگرد ہے در حقیقت ہے کیا؟

اس باہر کی دُنیا کے بارے میں معلومات کا ذریعہ ہماری پانچ حسیں ہیں یعنی حواس خمسہ۔چونکہ ہم پیدائش سے لے کر اب تک اپنے انہی حواس پر بھروسہ کیے ہوئے ہیں اس لئے ہم یہ نہیں سوچتے کہ باہر کی دُنیا ہمارے حواس پر مبنی تصویر سے کچھ مختلف بھی ہو سکتی ہے۔ہم یہ ماننے کے اتنے عادی ہو چکے ہیں ۔اور اس بناء پر اس موضوع پر بحث کرنے کو غیر ضروری سمجھتے ہیں۔

تاہم سائنسی دُنیا میں حال ہی میں کی گئی تحقیقات نے ہمارے فہم اور ادراک سے اخذ کی ہوئی دُنیا کے بارے میں شدید شبہات پیدا کر دیے ہیں ۔ان تحقیقات نے کائنات اور مادے کے بارے میں مُستند معلومات کو مسمار کر دیا ہے اور بالکل مختلف نیا رُخ سامنے لائے ہیں۔

# برقی اشاروں سے بنی ہوئی دُنیا

ہمیں باہر کی دُنیا کے حوالے سے جو ادراک حاصل ہے وہ دراصل برقی اشاروں کا تسلسل ہے آیئے بصارت کو مثال کے طور پر لیتے ہیں ۔ہم کیسے دیکھتے ہیں؟ اس سوال کا جواب عموماً "اپنی آنکھوں سے" تاہم یہ جواب اتنا سادہ نہیں ۔

آنکھ میں داخل ہونے والے برقی ذرات (Photons) سلسلہ وار مراحل سے گزرتے ہیں ۔ یہ برقی اشاروں میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور اس صورت میں دماغ کو پہنچائے جاتے ہیں یعنی دماغ کو جو پہنچتا ہے وہ دیکھی جانے والی چیز سے نکلنے والے برقی ذرات(Photons) نہیں بلکہ ان کا بصارتی عضو یعنی آنکھ کی ایک تہہ سے ٹکرا کر پیدا شدہ برقی اشارے ہیں ۔دوسرے الفاظ میں دماغ میں پایا جانے والا بصارتی مرکز اصل روشنی کی شعاعوں کو نہیں بلکہ ان کی برقی نقل کو پرکھتا ہے ۔ جب ہم یہ کہتے ہیں "میں کوئی چیز دیکھ رہا ہوں تو درحقیقت ہم وہ چیز نہیں دیکھتے دراصل ہم جو دیکھتے ہیں وہ برقی اشارے ہیں جو ہمارے دماغ میں اس چیز کا خاکہ ہیں ۔ہم ہر چیز بشمول تمام کائنات اپنے بصارتی مرکز میں دیکھتے ہیں جس کی پیمائش صرف چند انچ سکوئر ہے ۔

اگر ہم اب تک حاصل ہونے والے علم کی توضیح کرنا چاہیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ حتمی بصارت آنکھوں میں نہیں بلکہ بصارتی مرکز میں ہے ۔ یہ عمومی علم کے برعکس ہے کہ ہم آنکھوں سے نہیں بلکہ بصارتی مرکز سے دیکھتے ہیں چونکہ دماغ میں کوئی روشنی داخل نہیں ہوتی ۔ دماغ میں ہمیشہ اندھیرا ہوتا ہے ۔

اگر ہم ایک آلہ جو روشنی کو ناپ سکے 'فوٹو سیل' بصارتی مرکز میں رکھ دیں تو ہم ہر وقت حتیٰ کہ سورج کو براہ راست دیکھتے ہوئے بھی وہاں صفر روشنی پائیں گے ۔خلاصہ یہ کہ دماغ کبھی چیز کو نہیں بلکہ اس چیز سے نکلنے والے برقی اشاروں کو دیکھتا ہے ۔برٹینڈ ررسل مندرجہ ذیل مثال دیتا ہے ۔

"عام عقل یہی خیال کرتی ہے کہ جب وہ ایک میز دیکھتی ہے تو میز ہی دیکھتی ہے تو روشنی کی کچھ شعاعیں آنکھوں تک پہنچتی ہیں اور یہ اس قسم کی ہوتی ہیں جو پہلے تجربے کی بنیاد پر چھونے کی حس اور دوسرے لوگوں کی گواہی کہ انہوں نے میز ہی دیکھا کے ساتھ مربوط ہوتی ہیں لیکن اس میں ہمیں کسی نے میز تک نہیں پہنچایا ۔ روشنی کی لہروں نے ہماری آنکھوں میں کچھ عمل کیا اور انہوں نے آگے دماغ میں کچھ عمل کیا ۔ ان میں سے کوئی بھی عمل بغیر ابتدائیات کے میز کے موجود نہ بھی ہونے سے ہمیں میز کو دیکھنے کے احساسات کا موجب بن سکتا ہے ۔

(برٹینڈ رسل دی اے ۔بی ۔سی آف ریلیٹوٹی، جارج ایلن اینڈ انوین لمیٹڈ 1958 صفحہ 129)

بصارت سے متعلق یہ حقیقت تمام حواس پر چسپاں ہوتی ہے ہم برقی اشارے سونگھتے ہیں ۔برقی اشارے سنتے ہیں اور ہم جو کھاتے ہیں، ان کو نہیں بلکہ ان کے نمائندہ برقی اشاروں کو چکھتے ہیں ۔

یہی چھونے کی حس کے لئے سچ ہے ۔اگر کبھی آپ کا سر پتھریلی دیوار سے ٹکرا جائے تو آپ درحقیقت اُسے چھو نہیں رہے ۔آپ جب سوچتے ہیں کہ آپ کسی چیز کو چھو رہے ہیں تو کچھ الیکٹران اور پروٹان جن سے ہمارا جسم بنا ہے وہ اس چیز کو جسے آپ سمجھ رہے ہیں کہ چھو رہے ہیں، کے الیکٹران اور پروٹان کی طرف کھنچتے ہیں اور دور ہٹتے ہیں لیکن اصل میں ملاپ نہیں ہوتا ہمارے جسم کے الیکٹران اور پروٹان دوسرے الیکٹران اور پروٹان کی قربت سے مشتعل ہو کر درہم برہم ہو جاتے ہیں اور یہ خلل اعصاب کے ذریعے دماغ تک پہنچ جاتا ہے ۔دماغ کے اندر اثر اصل چیز ہے جو ہمارے چھونے کی حس کے لئے ضروری ہے ۔

(برٹینڈ رسل، ان پریز آف آئیڈلنس اور دوسرے مضامین، جارج ایلن اور انوین لمیٹڈ 1958 صفحہ 228)

سماعت بھی مختلف نہیں ۔کانوں تک پہنچنے والی آواز کی لہریں جو عصبی نظام سے برقی اشاروں میں تبدیل ہو جاتی ہے اور سماعتی مرکز کو بھیجی جاتی ہیں ۔ دیکھنے کے طریقہ کار کی آواز برقی خاکے ہیں جو دماغ تک پہنچتے ہیں ۔

# دُنیا، دماغ میں بناوٹ کی طرح

اب تک یہ واضح طور پر بیان کیا جا چکا ہے کہ وہ چیزیں جو ہم دیکھتے ہیں، چھوتے ہیں اور سنتے ہیں، وہ محض ہمارے دماغ میں بننے اور تشریح ہونے والے برقی اشارے ہیں۔ مثلاً جب ایک شخص سیب کھاتا ہے تو بہت برقی لہریں پیدا ہوتی ہیں اور اس کے دماغ میں ان کی توضیح ہوتی ہے۔ ہم جسے سیب سمجھتے ہیں وہ درحقیقت سیب نہیں بلکہ کچھ برقی اشارے ہیں جو اس کی شکل، خوشبو، ذائقہ اور اس کی سختی کی دماغ میں ترجمانی کرتے ہیں اس لحاظ سے، ہمارے حواس سے متعارف شدہ بیرونی دُنیا، دراصل برقی خاکوں کا مجموعہ ہے۔ تمام زندگی ہمارے دماغ ان خاکوں کی جانچ اور تشخیص کرتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارا "حقیقی" چیزوں سے تعلق ہے حالانکہ ہم صرف عکسوں کے خاکوں سے واسطہ رکھتے ہیں۔

# حقیقی بیرونی دُنیا کی طرف راستہ ناپید

ہم اپنے حواس کے ذریعے حقیقی چیزوں تک نہیں پہنچ سکتے۔ اس لئے ہم کبھی یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ آیا ہمارے دماغوں میں بنی دُنیا حقیقی دُنیا کا ہو بہو عکس ہے۔ ہمارے دماغ میں بننے والے عکس بیرونی دُنیا کی حقیقی چیزوں سے شاید نہ ملتے ہوں۔

دماغ اپنے اندر داخل ہونے والے پیغامات کو اپنے نظام کے اندر دوسری زبان میں تبدیل کر دیتا ہے اور ایک علیحدہ کائنات بنا دیتا ہے۔ جیسا کہ ہم پیدائش سے لے کر اسی نظام پر بھروسہ کیے ہوئے ہیں۔ ہمیں یہ یقین کرنے کا کہ آیا ہمارا دماغ ہمیں حقیقی دُنیا دکھاتا ہے اور ہمیں اس کے بارے میں صحیح معلومات دیتا ہے، کوئی موقع نہیں ملا۔

ہم جواب دیتے ہیں، ہاں مجھے یقین ہے کہ وہ ایسا کرتا ہے کیونکہ جب میں ایک چیز کا ادراک کرتا ہوں تو دوسرے مجھے بتاتے ہیں کہ انہیں بھی ویسا ہی ادراک ہوا ہے۔ تاہم یہاں ہم ایک حقیقت بھول جاتے ہیں وہ دوسرے بھی بیرونی دُنیا کا حصہ ہیں اور یوں ہمارے ادراک کی پیداوار۔ یہ صورتِ حال اس شخص سے مماثلت رکھتی ہے جو ساری عمر ایک کمرے میں رہا اور بیرونی دُنیا سے ایک سکرین کے ذریعے رابطہ رکھا۔ اس شخص کے لئے یہ اندازہ کرنا ناممکن ہے کہ جو تصویریں وہ بیرونی دُنیا کے حوالے سے دیکھتا ہے، حقیقی دُنیا کی عکاس ہیں یا نہیں۔

مختصراً جس طریقے سے ہم بیرونی دُنیا کا ادراک کرتے ہیں اس کا پورا انحصار ہماری سمجھ اور اس تشریح پر ہے جو ہمارے دماغ کے لئے خاص ہے۔

"درحقیقت کائنات میں کوئی روشنی کا وجود نہیں جیسی کہ دیکھی اور بیان کی جاتی ہے، کسی آواز کا جیسی کہ سنی جاتی ہے اور کسی حرارت کا جیسا ادراک ہوتا ہے کوئی وجود نہیں۔ دوسرے الفاظ میں ہمارے حسی اعضا بیرونی دُنیا اور دماغ سے تعلق استوار کرنے میں ہمیں دھوکہ دیتے ہیں۔"

(پروفیسر ڈاکٹر علی ڈیمر سائے، ایورین کوکک لاری چلڈرن آف دی یونیورس صفحہ 3-4)

برٹینڈ رسل بیرونی دُنیا اور ہمارے دماغوں میں بنی دُنیا میں فرق کو اپنی کتاب 'Pilosophical Matters' میں ایک نابینا آدمی سے واضح کرتے ہیں۔ آپ ہمیشہ ایک نابینا کو بتا سکتے ہیں کہ روشنی لہروں میں حرکت کا نام ہے، شاید اس کا تصور وہ کر سکے کیونکہ بینائی سے محروم لوگ چھو کر اپنے آپ کی واضح سمت کا تعین کرتے ہیں۔ لیکن ایک نابینا آدمی ہماری اس تعریف سے روشنی کے بارے میں جو سمجھے گا، وہ اس کی اصلیت سے بالکل مختلف ہے۔ ایک نابینا کو روشنی کی تعریف یا وضاحت کبھی نہیں بتائی جا سکتی۔ روشنی کی لہروں میں حرکت جیسی وضاحت اس روشنی سے بالکل مختلف ہے جو ہم دیکھتے ہیں۔ اس لئے یہ کہنا ناممکن ہے کہ دماغ میں بننے والے عکس کا منبع روشنی ہے۔ ہم جو کہنا چاہ رہے ہیں وہ یہ ہے کہ جو ہم دیکھتے ہیں وہ ضروری نہیں کہ بیرونی دُنیا میں دیکھے جانے والے مادے کو منتقل کرے۔

یہی طرزِ عمل دوسرے حواس کے لئے بھی سچ ہے۔ آیئے ایک دوسری مثال لیتے ہیں۔

"خوبصورت ترین ساز بھی صوتی لہروں کا مجموعہ ہے جو ہمارے اندرونی کان میں گونجتے ہیں۔ تمام احساسات بیرونی دُنیا سے وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ حالانکہ یہ وہاں سے جاری نہیں ہوتے بلکہ ہماری مخصوص حسی ادراک کے طور پر پائے جاتے ہیں۔"

(بلم وی ٹیکنک (سائنس اور ٹیکنالوجی) اگست 1988)

درحقیقت جو چیز بیرونی دُنیا میں پائی جانے والی صوتی لہروں کو ساز میں تبدیل کرتی ہے وہ ہمارا دماغ ہے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ بیرونی دُنیا میں موسیقی کا دراصل کوئی وجود نہیں لیکن ہم اپنے دماغ کی وجہ سے اسے محسوس کرتے ہیں۔

ہم رنگوں کے ادراک کے بارے میں اسی نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں۔ مختلف رنگوں کا مشاہدہ کرتے ہوئے، دراصل روشنی کی مختلف طول کی موجیں ہماری آنکھوں تک پہنچتی ہیں پھر یہ ہمارا دماغ ہی ہے جو ان موجوں کے طول کو رنگوں میں بدل دیتا ہے۔ مثلاً ایک سیب ہمیں لال اس لئے نظر آتا ہے کہ

روشنی کی موج کا طول جو سیب سے منعکس ہو کر دماغ کو پہنچ رہا ہے یہ اس کا ادراک ہے۔ اس کا مطلب ہے سیب اصل میں سرخ نہیں، آسمان نیلا نہیں اور درخت سبز نہیں یہ ہمارے ادراک کی وجہ سے ایسے نظر آتے ہیں۔

مشہور سائنس میگزین 'La Recherche' اس موضوع کے بارے میں یوں کہتا ہے:۔

"روشنی میں کوئی چیز سرخ یا نیلی نام کی نہیں۔ طبعی طور پر ہم رنگوں کے وجود کے بارے میں بات نہیں کر سکتے۔ یہ صرف نفسیاتی ادراک ہے۔" (جنوری 1981)

# جانور مختلف طرح سے دیکھتے ہیں

مزید برآں یہ معلوم ہے کہ جانور چیزوں کو مختلف رنگوں اور نمونوں میں دیکھتے ہیں ۔ یہ ایک اور مثال ہے جو ثابت کرتی ہے کہ بصارت محسوس کرنے والے پر منحصر ہے۔

گھوڑوں کے لئے آسمان نیلا نہیں بلکہ گرے ہے۔شہد کی مکھیاں انسانوں کے برعکس، الٹراوائلٹ رنگوں کا ادراک کرسکتی ہیں ۔اس طرح وہ بہت سے دوسرے رنگ دیکھ سکتی ہیں۔مگرمچھ اور چوہوں کے لئے ہر چیز بلیک اینڈ وائٹ ہے۔گائے اور بھینسے ایسی دُنیا میں رہتے ہیں جہاں سُرخ رنگ کا وجود ہی نہیں ۔ یہ بھی معلوم ہے کہ جانور چیزوں کی مختلف شکل دیکھتے ہیں ۔

اس صورت میں سوال " کون صحیح ہے" دماغ میں آتا ہے۔یہ ظاہر ہے کہ ہمارے پاس یہ کہنے کی کوئی بنیاد نہیں کہ صرف لوگ ہی چیزوں کو صحیح طرز پر دیکھتے ہیں ۔

# ہمارے دماغ میں بنی کائنات میں رہنا

جب ہم کہتے ہیں کسی چیز کا وجود ہے تو وہ ہمارا اس چیز کو دیکھنا، چھونا اور سنٖنا ہے۔حالانکہ یہ احساسات چیز سے تعلق نہیں رکھتے کیونکہ یہ وہ خوبیاں ہیں جو ہمارے دماغ نے اس چیز کو عطا کی ہیں ۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمارے پانچ حواس سے آنے والے احساسات جیسے گرمی یا درد کو محسوس کرنا "بیرونی دُنیا" کا حصہ نہیں بلکہ یہ سب ہمارے دماغ میں وقوع پذیر ہوتا ہے۔

اس طرح چونکہ بیرونی دُنیا جس کی ہم بات کر رہے ہیں وہ صرف ان حواس کا مجموعہ ہے۔اس بیرونی دُنیا کا دماغ کے بغیر وجود نہیں ۔اگر ہم ایک پھل کی تمام خصوصیات جیسے شکل، خوشبو یا ذائقہ ختم کر دیں تو یہ پھل ہمارے لئے بے معنی ہو گا۔بغیر ذائقے، خوشبو، سختی یا رنگ کے ایک پھل پھر پھل نہ کہلائے گا۔

جس دُنیا سے ہم آگاہ ہیں وہ دراصل ہمارے دماغوں میں ایک دُنیا ہے جہاں وہ تشکیل پاتی ہے۔آواز اور رنگ دی گئی یا حقیقتاً تخلیق کی گئی صرف ایک دُنیا جس کا ہمیں یقین ہے وہ یہی ہے۔

مختصراً ہم اپنے دماغوں میں بنی دُنیا میں رہتے ہیں جہاں سے ہم ایک قدم آگے نہیں جا سکتے اور ہم سوچ کی غلط فہمی میں ہیں کہ یہی اصل بیرونی دُنیا ہے۔یہ کسی فلسفے کی مختلف طرز سے وضاحت نہیں ہے بلکہ یہ سائنس کی صاف شہادت ہے۔

# کیا درحقیقت بیرونی دُنیا کا وجود ہے؟

سائنس کے ارتقاء میں پیدا ہونے والی بے یقینی کی صرف بیرونی دُنیا کی خصوصیات پر ہی نگاہ نہیں ۔ جب کہ نئی سائنسی دریافتیں ہماری محسوسات میں یقین کو مشکوک بنا رہی ہیں، اس کے ساتھ یہ ہمارے ذہن میں ایک عجیب وغریب سوال لاتی ہیں " کیا بیرونی دُنیا کا درحقیقت وجود ہے؟"

کیا آپ نے کبھی سوچا کہ کیا چیز آپ کو بیرونی دُنیا میں یقین ہونے پر آمادہ کرتی ہے۔آپ کا کسی چیز کو دیکھنا، سننا یا چھونا ہی آپ کے لئے اس کے وجود میں یقین کرنے کو کافی ہے۔تاہم یہ ایک عقیدہ ہے جو آپ نے عادتاً حاصل کیا ہے اور عادتاً اپنے اندر رمایا ہے جو سائنس اور منطق کے برعکس ہے۔

جہاں تک چھونے کی حس کا تعلق ہے، جب ہم اپنی انگلیوں سے میز کو دباتے ہیں تو ہماری انگلیوں کے پوروں پر میز کے الیکٹران اور پروٹان کے قریب آجانے سے برقی خلل پیدا ہوتا ہے یہ ماڈرن طبیعات کے نظریے کے مطابق ہے۔اگر ہماری انگلیوں کے پوروں پر یہی خلل کسی اور طرح پیدا ہو تو بغیر میز کے ہی ہمیں ایسے احساسات ہوں گے۔

(برٹینڈ رسل، دی اے بی سی آف ریلٹیویٹی، جارج ایلن اینڈ ایونلیمیٹڈ، 1958 صفحہ 120-130)

ہم یہاں جو بیان کرنا چاہ رہے ہیں وہ یہ کہ آدمی کو دیکھنے، چھونے اور آواز کے احساسات بغیر کسی چیز کی موجودگی کے ہو سکتے ہیں۔ہمارے دماغ جو مصنوعی تحریکات وصول کرتے ہیں ان ہی کی بدولت اصل دُنیا جیسی دُنیا بنا سکتے ہیں۔

آپ ایک پیچیدہ ریکارڈر کو تصور میں لائیں جس میں مختلف برقی اشارے ڈال دیے گئے۔آیئے پہلے اس ریکارڈر میں ماحول کی تمام تفصیلات جیسے شکل، بُو، آواز اور ہمارے اجسام ریکارڈ کریں۔پھر ان برقی اشاروں کو دماغ کے متعلقہ حصوں میں بھیجیں۔چونکہ تمام حواس جیسے دیکھنا، چھونا وغیرہ دماغ میں ان برقی اشاروں سے وقوع پذیر ہوتے ہیں جو اس بیرونی دُنیا سے تحریک پاتے ہیں، اس ویڈیو سسٹم کو آن کر کے ہم اپنی سوچ میں دھوکا کھا جائیں گے جیسے ہم حقیقتاً اس ماحول میں ہوں۔

دماغی سرجری میں جب بصارتی یا یادداشت کے مرکز کو چھوا جائے تو مریض اپنے دوستوں کی مختلف شکلیں اور نظارے دیکھتے ہیں اور جب دماغ کے متعلقہ حصوں کو چھوا جائے تو وہ مختلف ذائقے تجربہ کرتے ہیں اور با آواز بلند ہنسنے لگتے ہیں۔اس لئے ہمیں اپنے دماغوں میں دُنیا ہونے کے لئے اصل بیرونی دُنیا کی ضرورت نہیں بلکہ حقیقی یا مصنوعی تحاریک چاہئیں۔

# خواب ہمارے دماغوں میں دُنیا

ہمارے دماغ کی تخلیق کردہ مصنوعی دُنیا کی ایک اور شاندار مثال ہمارے خواب ہیں۔ اپنے خوابوں میں دُنیا کی زندگی، جس میں ہم رہتے ہیں اکثر انتہائی اصلی ہوتی ہے۔

ایک شخص یہ خواب دیکھتے ہوئے کہ ایک اجنبی اس کا پیچھا کر رہا ہے سڑک پر دوڑتے ہوئے پسینے میں شرابور ہو جاتا ہے۔ وہ اتنا پر جوش ہو جاتا ہے کہ اُسے دل کا دورہ پڑ سکتا ہے۔ جب یہ سب عمل وقوع پذیر ہوتے ہیں اس وقت دراصل کسی اجنبی اور اس کے اپنے جسم کا وجود نہیں ہوتا۔

مختصراً، خواب اصل حقیقت کی واضح مثال ہے جہاں ایک شخص حقیقی ماحول میں وجود تصور کرتا ہے۔

اگر آپ ابھی حالتِ خواب میں ہوں تو کیسا؟ یہ ایک بے تکا سوال ہو سکتا ہے لیکن ایک منٹ کے لئے تصور کریں کہ کوئی شخص آپ کو بتائے کہ آپ اس وقت جو کچھ محسوس کر رہے ہیں وہ خواب ہے اور تمام چیزیں جو آپ کے گرد ہو رہی ہیں وہ صرف آپ کے دماغ کے اندر ہیں آپ کا جواب کیا ہو گا؟ آپ کے اندر خیال آتا ہے کہ کوئی شہادت نہیں جو اشارہ دیتی ہو کہ آپ خواب دیکھ رہے ہیں۔ ہر چیز صاف، معقول اور اصلی لگتی ہے۔ کوئی چیز نہیں جس سے آپ کو شبہ ہو۔ نتیجتاً آپ خواب میں نہیں ہیں لیکن کیا وہ طریقہ جس سے آپ نے خواب اور حقیقت میں فرق کا اندازہ لگایا ہے اس کا انحصار ان خصوصیات پر ہے؟ یا اس وجہ سے ہے کہ عکس اتنے حقیقی اور واقعات کے تسلسل کا حصہ محسوس ہوتے ہیں۔

خبردار! آپ نے خوابوں اور حقیقت میں فرق کرنے کے لئے جو طریقہ استعمال کیا ہے وہ سائنسی معلوم نہیں ہوتا۔ جب آپ خواب دیکھ رہے ہوں آپ نہیں سمجھ سکتے کہ آپ خواب میں ہیں یا نہیں۔ اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ آپ خوابوں کو حقارت سے دیکھیں۔ آپ کسی کے ساتھ بات چیت کرتے ہیں جس کا اصل میں وجود ہی نہیں اور ایک اصل کار حاصل کرنا چاہتے ہیں جب آپ کی آنکھ کھلتی ہے تو خواب اور "زندگی" جو آپ کے خیال میں اصلی تھے ایک ہی خصوصیات رکھتے ہیں کیونکہ دونوں آپ کے دماغ میں محسوس ہوئے۔

جب آپ خواب دیکھ رہے ہوتے ہیں تو واقعات آپ کے قابو سے باہر ہوتے ہیں۔ آپ کو اس بات کا موقع نہیں دیا جاتا کہ جگہ، وقت اور خواب کے منظر کا چناؤ کر سکیں۔

اچانک سوئے ہوئے آپ اپنے کو کوئی معرکہ مارتے دیکھتے ہیں۔ اس پر مزید یہ کہ آپ اپنے گردان واقعات کو اجنبی نہیں سمجھتے حالانکہ یہ عام عقل تسلیم نہیں کرے گی اور فطرت کے قوانین کے بھی خلاف ہیں۔

قرینِ قیاس ہے کہ آپ کے لئے حقیقت کا اظہار ان چیزوں سے ہوتا ہے جو چھوئی اور دیکھی جا سکیں۔ آپ ایک چیز اپنے ہاتھ میں بھی پکڑتے ہیں اور خواب میں بھی دیکھتے ہیں، جہاں نہ آپ کے ہاتھ، نہ آنکھیں اور نہ ہی دیکھی جانے والی چیز ہوتی ہے۔ یہ صورتحال عملاً پُر فریب ہے۔ ایک فلسفی جو اس تصادم پر غور و فکر کرتا ہے یہ کہتا ہے۔

"چونکہ جب ہم خواب دیکھتے ہیں ہم نہیں جانتے کہ ہم خواب دیکھ رہے ہیں۔ یہ صرف بعد میں جاگنے کے بعد ہوتا ہے کہ ہم اپنے خواب کو خواب جانتے ہیں۔ ہم یہ دعویٰ کیسے کر سکتے ہیں کہ ہمارے موجودہ تجربات خواب والوں سے زیادہ بھروسے کے قابل ہیں؟ یہ حقیقت کہ یہ تجربات حقیقت کے احساس سے وابستہ ہیں، انہیں زیادہ بھروسے کے قابل نہیں بناتی کیونکہ ہمیں خواب میں بھی یہی احساس ہوتا ہے، ہم اس امکان کو مکمل طور پر خارج نہیں کر سکتے کہ دوسرے تجربات یہ ثابت کریں گے کہ ہم اس وقت بھی خواب میں ہیں۔"

(Hans Reichenbach, The Rise of Scientific Philosophy, University of California Press, 1973, P. 29)

ڈیکارٹس نے بھی اسی طرح کا نقطۂ نظر پیش کیا ہے۔

"اپنے خوابوں میں اپنے آپ کو جگہوں پر جاتے دیکھتا ہوں۔ جب میں جاگتا ہوں تو جانتا ہوں کہ میں کہیں نہیں گیا اور اپنے آپ کو اپنے بستر پر لیٹا پاتا ہوں۔ کون مجھے یقین دلا سکتا ہے کہ میں اس وقت خواب نہیں دیکھ رہا یا یہ کہ میری پوری زندگی خواب نہیں ہے؟ ان وجوہات کی بنا پر دُنیا کی حقیقت جس میں میں رہتا ہوں مکمل طور پر غیر معتبر تصور ہے۔"

{Macit Gokberk felsefe Tarihi (History of Philosophy P. 263)}

پھر حقیقی زندگی اور خوابوں میں کیا فرق ہے؟ کیا یہ حقیقت ہے کہ اصل زندگی غیر منقطع، مسلسل قسم کی ہے یا یہ وجہ ہے کہ خوابوں میں مختلف قسم کا توجیہی عمل کارفرما ہے۔ یہ اصولاً اہم اختلافات نہیں ہیں کیونکہ دونوں قسم کی زندگی کے تجربات دماغ میں ہوتے ہیں۔

اگر خواب دیکھتے ہوئے ہم اصل زندگی میں رہ سکتے ہیں تو ہم اصل زندگی میں کیوں نہ ہوں جب خواب دیکھ رہے ہوں؟ کوئی معقول وجہ نہیں جو ہمیں یہ سوچنے سے روکے کہ جب ہم خواب سے بیدار ہوتے ہیں تو ہم ایک لمبے خواب میں رہنا شروع کرتے ہیں جسے ہم اصل زندگی کہتے ہیں۔ یہ ہمارا تعصب اور روایتی سوچ کا اندازہ ہے جو ہمیں اس موضوع کے بارے میں کوئی شک نہ ہونے کی طرف لے جاتا ہے حالانکہ اس کے بارے میں ہمارے پاس کوئی ٹھوس شہادت نہیں ہے۔

# مصنوعی نیند سے بنائی ہوئی دُنیا

مصنوعی نیند (Hypnosis) کے زیرِ اثر اگرچہ مریض گہری نیند میں ہوتا ہے لیکن دوسرے شخص کے حکم پر سنتا، دیکھتا اور محسوس کرتا ہے۔ نوی باتوں سے کوئی بھی ماحول پیدا کر سکتا ہے اور مریض یہ سمجھتا ہے کہ وہ اس ماحول میں ہے اور وہ حقیقی ہے۔ جنرل ہسپتال نفسیاتی میگزین (جنوری 1987) میں ایک دس سال کا لڑکا جس کی ٹانگ کار کے حادثے میں ٹوٹ گئی تھی، پر ایک تجربہ کیا گیا جو یوں ہے۔

"مریض سے درخواست کی گئی کہ اپنی آنکھیں بند کر لے اور محسوس کرے جیسے سینما میں ہے۔ آپریشن کے دوران لڑکا سکون سے لیٹا رہا اور اپنا دایاں ہاتھ مسلسل اپنے مُنہ اور گھٹنے کے درمیان ہلاتا رہا۔ اس دوران ڈاکٹر نے ٹوٹی ہڈی پر کام کیا۔ ہاتھ کی یہ متواتر حرکات کیا تھیں؟ بیدار ہونے کے بعد لڑکے نے بتایا کہ وہ سینما میں پاپ کارن کھا رہا تھا۔"

مصنوعی نیند کے زیرِ اثر آپ کسی شخص کو اپنی مرضی کی آوازیں سنوا سکتے ہیں۔ اگر ہم اُسے یقین دلا دیں کہ ہماری آواز دیوار میں سے آ رہی ہے تو وہ سوچے گا کہ دیوار بولتی ہے۔ اس سے بڑھ کر ہم کہیں کہ آواز ہمارے ہاتھوں اور کانوں سے آ رہی ہے تو وہ سمجھے گا کہ اعضاء بولتے ہیں۔

مزید برآں مصنوعی نیند میں وقت کا تصور بھی بالکل مختلف ہے۔ ورجینیا یونیورسٹی کے شعبۂ نفسیات میں کیا گیا ایک تجربہ قابلِ ذکر ہے۔ یونیورسٹی کے ایک طالب علم کو مصنوعی نیند دلا کر یہ کہا گیا کہ اپنے ہائی سکول کے سالوں میں لوٹ کر اپنے سکول کے ہر کلاس روم میں جاؤ۔ اس کے سکول میں تقریباً بیس کلاس رومز تھے اور اسے حکم دیا گیا کہ ایک ایک کر کے ہر کمرے میں دیکھ کر بتائے کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔ اس کے پاس یہ کرنے کے لئے صرف آدھا گھنٹہ تھا اور ایک تال ناپ (Metronome) وقت کا اندازہ کر رہا تھا۔ لڑکی کو بتایا گیا تھا کہ (Metronome) ہر منٹ کے بعد ٹِک کرے گا تا کہ اُسے پتہ چلے کہ اسے کام ختم کرنے میں کتنا وقت باقی ہے۔

مصنوعی نیند کے زیرِ اثر لڑکی نے اپنے وقت کا اچھے طریقے سے انتظام کیا اور دیے گئے وقت میں توقع کے مطابق کام پورا کر لیا۔ حالانکہ (Metronome) ہر منٹ کے بجائے ہر سیکنڈ کے بعد ٹِک کر رہا تھا۔ دوسرے الفاظ میں آلے نے کل تیس سیکنڈ کام کیا نہ کہ آدھا گھنٹہ۔

تیس سیکنڈ کے بعد آلے کو بند کر دیا گیا اور پروفیسر نے لڑکی کو بیدار کیا اور اس سے پوچھا کہ اپنے تجربے سے اُسے کیا یاد رہا۔ اس کے لاشعور نے حکم کے مطابق کام کیا تھا۔ اس نے ہر کمرے میں جو دیکھا تھا اس کی تفصیل دہرانے کے قابل تھی۔

جب اُسے معلوم ہوا کہ سارا تجربہ آدھ گھنٹے کے بجائے تیس سیکنڈ میں ہو گیا تو وہ بہت حیران ہوئی۔

یہ مثال بتاتی ہے کہ مصنوعی نیند کے ذریعے کس طرح پُرفریب دُنیا تخلیق کی جا سکتی ہے اس حد تک کہ اگر کسی انسان کے صرف دماغ کو زندہ رکھا جائے تو اسے مصنوعی نیند کے ذریعے جسم اور چہرہ دیا جا سکتا ہے۔ اور ہم اُسے ایسی ہی زندگی میں رہتا ہوا بنا سکتے ہیں جیسی میں ہم رہ رہے ہیں۔

# ہولوگرام: تین رُخے خواب

انسانی دماغ اس قابلیت کے علاوہ کہ وہ اصل جگہیں تخلیق کر لیتا ہے، جدید ٹیکنالوجی ہمیں ایسے ہتھیار مہیا کرتی ہے جس سے تین رُخی اصلی دُنیا بنائی جا سکے۔ فوٹوگرافی کی تین رُخی تکنیک جس کا ماحصل ہولوگرام کہلاتا ہے، یہ لیزر شعاعوں کے ذریعے پیدا کیا جاتا ہے۔

ہولوگرام کے ذریعے بنائے ہوئے عکس خلا میں لٹکے ہوتے ہیں اور اس عکس کو تمام زاویوں سے دیکھنا ممکن ہوتا ہے۔آجکل ہولوگرام روزمرہ زندگی کی سرگرمیوں میں عموماً استعمال ہوتے ہیں جیسے قیمتی زیور کی نمائش یا تھیٹر کی آرائش کی نمائش وغیرہ کے لئے۔جب تک اسے چھوا نہ جائے، ہولو گرام کو اصل سے فرق کرنا ناممکن ہے۔

یہ تمام مثالیں ایک خاص حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہیں "دماغ یہ تمیز نہیں کر سکتا کہ نقطۂ تحریک اصل یا نقل ذریعہ سے ہے۔"

دوسرے الفاظ میں یہ حقیقت کہ کسی مادے کو دیکھنا، چھونا یا سونگھنا یہ مطلب نہیں رکھتا کہ یہ واقعی وجود رکھتا ہے۔خواب میں، مصنوعی نیند کے زیرِ اثر یا جب ہمارے اعصاب مصنوعی طور پر متحرک کئے جاتے ہیں، ہمیں اس صورتِ حال کی اصلیت کے بارے میں کوئی شبہ نہیں ہوتا۔تاہم یہ صورتِ حال جسے ہم اصل سمجھتے ہیں ضرور دماغ میں وقوع پذیر ہوتی ہے۔

مختصراً ہمارا دماغ یا زیادہ صحیح لفظوں میں ہمارا ذہن ہمیں ایک دُنیا پیش کرتا ہے۔ہمارے لئے اس دُنیا کے وجود کی اصلیت کے بارے میں کوئی نظریہ حاصل کرنا ناممکن ہے۔

پھر ہم اس دُنیا کے وجود کے بارے میں جس میں ہم رہتے ہیں اور اسے اصل تصور کرتے ہیں کیسے پر یقین ہو سکتے ہیں؟ اگرچہ اصل دُنیا کے وجود کے بارے میں کوئی سائنسی اور معقول تائید نہیں ہے۔ہم اس میں کیوں یقین رکھتے ہیں، اس کا انحصار ہمارے روایتی سوچ کے انداز اور پیدائش سے لے کر ہمارا علم حاصل کرنے اور دُنیا کے بارے میں ادراک پر ہے۔ہم اس حقیقت کو صاف دیکھ سکتے ہیں جب ہم اپنا ذہن صاف کریں اور تعصب سے پیدا کردہ بندشوں کے بغیر سوچیں۔

# مادے کی اصل ماہیت

طب سے لے کر طبیعات اور سائنس کی بہت سی دوسری شاخوں میں حالیہ ترقی نے بیرونی دُنیا کی حقیقت کے بارے میں شدید شبہات آشکار کیے ہیں۔سائنس دان اور علم الفلکیات کے ماہرین کا کہنا ہے کہ کائنات کی اصل ماہیت مادہ نہیں ہے بلکہ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ایک کمال درجے کا نظم کارفرما ہے۔مثلاً آئن سٹائن کہتا ہے "میں جب کائنات کا انتظام دیکھتا ہوں تو حیرت زدہ ہو جاتا ہوں۔" دوسری طرف ماہر علم الفلکیات آرتھر ایڈنگٹن یہ نظریہ پیش کرتا ہے کہ کائنات کا بنیادی سیمنٹ فکر ہے۔جیمز جینز جو ایک اور ماہر الفلکیات ہے، اوپر کے نظریات سے متفق ہے اور کہتا ہے کہ کائنات ایک بڑی مشین کے بجائے ایک عظیم خیال کی طرح ہے۔پچھلی صدی میں ہونے والی جدید ترقی نے دُنیا کی اصلیت اور مادے کے حقیقی وجود کے بارے میں کچھ نظریات کو ختم کر دیا ہے اور اسے ایک بالکل نئے نظریے سے بدل دیا ہے۔

مادے کی اصلیت کے بارے میں ایک بہت اہم مطالعہ آئن سٹائن کا نظریہ اضافت ہے۔آئن سٹائن اپنے مشہور فارمولے $E = MC^2$ کے ساتھ یہ زور دیتا ہے کہ مادہ توانائی کی ایک قسم ہے۔دوسرے الفاظ میں مادے کی بنیادی اکائی توانائی ہے جو کوئی جگہ نہیں لیتا اور نہ ہی اس کا حجم اور Mass ہے۔اس صورت میں یہ کہنا کہ مادے کا حجم یا Mass ہے ناممکن ہے اور اس کا اس طرح کا وجود ہے جس طرح ہم اس کا ادراک کرتے ہیں۔

"نظریہ اضافت سے پہلے سائنس دان کائنات میں دو علیحدہ نظریات مادہ اور توانائی کے وجود کو تسلیم کرتے تھے۔مادہ کے بارے میں یہ نظریہ تھا کہ یہ حجم اور Mass رکھتا ہے اور توانائی کو لہردار، مخفی تصور کیا جاتا تھا جس میں Mass کی کمی تھی۔البرٹ آئن سٹائن نے آشکارہ کیا کہ یہ دونوں تصورات ایک ہی ہیں اور اس نے یہ ثابت کیا کہ جسے ہم مادہ سمجھتے ہیں درحقیقت وہ توانائی ہے۔دوسرے الفاظ میں مادہ، توانائی اور توانائی، مادہ ہے۔"

(Ali Demirsoy, Evrenve Cocuklari (Universe and its Children) P. 18)

ایک اور ترقی جس نے مادے کی روایتی توضیح کو باطل کر دیا، کوانٹم فزکس ہے۔ایٹمی تحقیق کے دوران اس چیز کا مشاہدہ کیا گیا کہ ایٹم کا گہرا تجزیہ کرنے پر ایٹم کی مختلف نوعیت سامنے آئی۔یہ اس لئے کہ ایٹم کا بنیادی حصہ "کوارکس" مادہ نہیں بلکہ توانائی ہے۔ان ذرات کو مادہ قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ ان کا حجم اور Mass نہیں ہے اور یہ کوئی جگہ نہیں گھیرتے۔مثال کے طور پر فوٹونز بھی "کوارکس" ہی ہیں۔اس صورت میں ایٹم جو کہ ان ذرات سے مل کر بنا ہے مادہ نہیں کہلا سکتا۔

کائنات میں پایا جانے والا تمام مادہ چاہے وہ گیس کی حالت میں ہو یا مائع کی حالت میں، مختلف لہروں سے بنا ہے۔ہم لہروں کے سمندر میں رہتے ہیں اور توانائی کے مختلف درجوں کا ادراک حواس کی صورت میں کرتے ہیں۔

(Ali Demirsoy, Evren Ve Cocuklari (Universe and its Children) P. 6)

بیلم وی ٹیکنک رسالے کا مصنف Aydin Aritan یہ کہتا ہے۔

"کائنات بھی ارتعاش رکھنے والی مختلف Frequency کی لہروں سے مل کر بنی ہے۔کوانٹم فزکس ہمیں بتاتی ہے کہ یہ ارتعاش اس جسامت اور مادے کو ترتیب دیتا ہے جس کا ہم ادراک کرتے ہیں۔تاہم ہم بیرونی دُنیا کا ادراک لہروں کی صورت میں نہیں بلکہ مادے کی تصویروں کی صورت میں کرتے ہیں۔اس صورت میں بیرونی دُنیا اور اس کے سارے احساسات محض غلط گمان کی طرح ہیں جیسا کہ ایک مرتبہ 'برکلے' نے کہا تھا۔"

"آئن سٹائن کے نظریہ اضافت کے مطابق دُنیا خود مختار، ناقابل تجزیہ موجودات سے بنے ڈھانچے کے طور پر نمودار نہیں ہوتی بلکہ عناصر کے مابین تعلقات کے جال کے طور پر، جن کا مقصد ان کے "کُل" سے تعلق سے وجود میں آتا ہے۔اسی طرح کوانٹم میکانیات ان نظریات کی طرف دلالت کرتی ہیں کہ طبعی حقیقت لازماً Nonsubstantial ہے اور یہ کہ صرف نسبتیں حقیقی ہیں۔شرقی صوفی یہ جانتے تھے۔وہ اشیاء کی مفارقت کو 'مایا'

کہتے تھے۔ہماری مطلق ذہانت سے پیدا ہونے والا فریب خیال۔"

(نیوز ویک اگست 13 , 1979 صفحہ 46)

جیسا کہ ابھی دیکھا گیا، بیرونی دُنیا، جیسا کہ اسے عموماً نام دیا جاتا ہے، لہروں کے ایک سمندر کے علاوہ کچھ نہیں جس کا نہ Mass ہے نہ حجم اور نہ مقام۔

پھر ہم اس کو باقاعدہ تصویروں کے طور پر کیوں محسوس کرتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم ذہن کی پیدا کردہ دُنیا میں رہتے ہیں۔رنگ، آواز، Mass، مضبوطی، شکل اور تمام خصوصیات اصل میں ذہن کے تخلیق شدہ تصورات ہیں اور 'بیرونی دُنیا' میں ان کا دراصل کوئی وجود نہیں Aydin Aritan اس تصور کو یوں بیان کرتا ہے

"بیرونی دُنیا کا ادراک مادے کی شکلوں اور تصویروں کی صورت میں کرتے ہیں کیونکہ ہمارا دماغ اور حواس اس طریقے پر ترتیب دیے گئے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ بیرونی دُنیا حقیقت میں یہ خصوصیات رکھتی ہیں۔"

"اگر ہم کائنات کو اپنے حواس کے ذریعے معلوم کرنے کی کوشش کریں تو ہم سچائی تک نہیں پہنچ سکتے۔اگر ہم اپنے حواس کے علاوہ کسی اور طریقے سے جاننا چاہیں تو ہمیں ایسی قوت سے واسطہ پڑتا ہے جو ریاضیاتی فارمولوں سے عاری ہے۔"

(Ali Demirsoy, Evren Ve Cocuklari (Universe and its Children) P. 7)

'Karl Pilgram' نامی ماہر امراض اعصاب جو بیرونی دُنیا کے وجود کے بارے میں تحقیقات کے لئے جانے جاتے ہیں، بیان کرتے ہیں کہ بیرونی دُنیا محض ہولوگرام ہے جو دماغ سے ڈی کوڈ ہوئی لہروں سے بنا ہے۔

"Minnesota میں منعقد ہونے والے ایک سمپوزیم میں Pilgram نے بتایا کہ جواب شاید جیسٹالٹ سائیکولوجی میں پنہاں ہو۔ دوسرے الفاظ میں محسوس ہونے والے مادے، ادراک کرنے والے شعور کے مطابق حقیقت حاصل کر لیتے ہیں۔شاید تمام دُنیا ہولوگرام کے سوا کچھ نہ ہو۔کیا اس سے پرے بیٹھے ناظرین ہولوگرام ہیں؟ کیا یہ اس کے دماغ اور دوسروں کے دماغ سے ڈی کوڈ ہوئی ہوئی frequencies ہیں؟ اگر حقیقت کی نوع ہولوگرافک مادہ ہے تو پھر دُنیا شرقی فلسفوں کے بیان کی طرح غلط تصور ہے۔"

(Gunes the Sun, September 9, 1990)

آخر کار ہم اپنے ذہن کو تعصبات سے آزاد کرتے ہیں۔ہم دیکھ سکتے ہیں کہ حقیقی دُنیا کے وجود کو ثابت کرنے کی کوئی ٹھوس شہادت موجود نہیں۔اس موقع پر مندرجہ ذیل سوال سب سے پہلے ذہن میں آتا ہے۔

"اگر بیرونی دُنیا نہیں ہے تو ہمیں نظر آنے والی شبیہوں کا ذریعہ کیا ہے؟ ہم کیسے یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہم اصل اور حقیقی دُنیا میں رہ رہے ہیں؟ ان سوالات کا جواب دینے سے پہلے آیئے حالیہ ٹیکنالوجی کی ترقی کو دیکھتے ہیں جو ہمیں اس موضوع کو بہتر سمجھنے میں مدد دے گی۔

# سیمولیٹر: مصنوعی حقیقت

خاص طریقہ کار جو تلمیٹس (Simulation) کہلاتا ہے، کمپیوٹر کی مدد سے مصنوعی حقیقی دُنیا بناتا ہے۔ سکرین کے ساتھ ایک ہیلمٹ آپ کو تین رُخا عکس فراہم کرتا ہے۔ اس کے ساتھ منسلک پانچ حواس کو جوش دلا کر دماغ کو یہ باور کراتا ہے کہ وہ اصل دُنیا کا تجربہ کر رہا ہے۔

ایک کمپیوٹر جو جدید ترین تلمیٹس اور ماڈلنگ ٹیکنالوجی سے لیس ہے اور جو انسان کے تقریباً تمام حواس کے ساتھ معاملہ کرتے ہوئے دماغ کو تفریح مہیا کرتا ہے۔ یہ کیسے ہوتا ہے اور اس کے کیا مقاصد ہیں؟

یہ عکس بندی کی جدید اقسام کو کام میں لانے سے ہوتا ہے جن سے ہم تین رُخی اصل حقیقی کھیلوں کی وجہ سے واقف ہیں۔ ایف سولہ طیاروں کے ہوابازوں کو تربیت دینے کے لئے، LCD ماسک یا ہیلمٹ ایجاد کئے گئے ہیں جو ہواباز کو جہاز کی تین رُخی تصویر دکھاتے ہیں۔ اس طرح کہ جب وہ اپنا سر اوپر، نیچے ہلاتا ہے تو وہ اپنے آپ کو جہاز کے اندر محسوس کرتا ہے۔ ایک مکمل صوتی نظام اور ایک کرسی جو LCD ہیلمٹ سے پیش ہونے والے عمل کے ساتھ حساس طریقے سے حرکت کرتی ہے، تربیت لینے والا ہواباز پرواز کے تمام جوش اور احساسات کا تجربہ کر سکتا ہے۔

اس مثال سے یہ حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ تجربکی اثرات آسانی سے ایک اصل دُنیا بنا سکتے ہیں۔

# کون ہے جو دیکھتا ہے؟

کیا بیرونی دُنیا کا واقعی وجود ہے یا ہم اسے اپنے دماغ میں بنا رہے ہیں۔ یہ ایک قائم شدہ حقیقت ہے کہ ہمارے پانچ حواس ہیں۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ حواس دماغ کو اعصابی نظام کے ذریعے پہنچتے ہیں اور دماغ اس Processed data کو محفوظ کر لیتا ہے۔ لیکن کیا اور کون اس data کو زندہ رکھتا ہے اور حسی تحریک کو منظم کرتا ہے اور اسے ایک شعوری نظام میں تبدیل کرتا ہے۔ جسے بیرونی دُنیا کے ادراک کے حوالے سے جانا جاتا ہے۔

(Gilisim Bilim Ve Teknik Ansiklopedisi (Encyclopedia Gelisim of Science and Technique) P. 1216)

بلاشبہ جس دُنیا میں ہم رہتے ہیں وہ دماغ میں بنی ہے تاہم یہاں ایک بڑا سوال اُٹھتا ہے۔ اگر تمام چیزیں جنہیں ہم دیکھتے ہیں اور ان میں رہتے ہیں ان کا خوابوں کی طرح کوئی مادی وجود نہیں تو یہ شبیہیں کیونکر پیدا ہوتی ہیں۔

بعض دفعہ یہ کہا جاتا ہے کہ یہ تصویریں دماغ کا ایسا عمل ہے جو ابھی تک حل نہیں ہوا۔ اس صورت میں خواب، یادداشت کے ذریعے ایک نامعلوم طریقے سے وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ درحقیقت جب یہ سوال پوچھا جاتا ہے۔ "دماغ کو یہ شبیہیں کون دکھاتا ہے؟" تو بغیر دلیل کے یہ کہہ دیا جاتا ہے "دماغ خود ہی ان کو بناتا ہے۔" اس جگہ ہمیں مسئلے کا ایک اور پہلو لینا ہوگا جس کو اب تک نظر انداز کیے رکھا تھا۔ برٹینڈ رسل کہتا ہے۔

"بے شک اگر مادے کو مجموعی طور پر کچھ واقعات کا مجموعہ قرار دیا جائے تو یہ آنکھ، بصری نس اور دماغ پر بھی لاگو ہونا چاہیے۔"

(Bertrand Russell, The ABC of Relativity, Gearge Allen and Unwin Ltd, 1958, P. 129)

دوسرے الفاظ میں دماغ بھی بیرونی دُنیا کا ایک حصہ ہے جو شبیہوں کا مجموعہ گردانا جاتا ہے جن کا کوئی مقام، حجم اور Mass کچھ نہیں۔ خواب کے بارے میں ایک مثال ہمارے نقطہ نظر کو واضح کرے گی۔

آیئے یہ فرض کریں کہ ہم اپنے دماغ میں ایک خواب دیکھ رہے ہیں۔ خواب میں ہمارا اصل جسم، آنکھیں اور دماغ ہوگا۔ خواب میں اگر ہم سے کوئی پوچھے کہ ہم دُنیا کہاں دیکھتے ہیں؟ تو ہمارا جواب ہوگا "اپنے دماغ میں۔" اگر وہ شخص مزید یہ پوچھے کہ ہمارا دماغ کہاں ہے اور کیسا لگتا ہے تو ہم اپنا سر پکڑ کر کہیں گے، میرا دماغ میری کھوپڑی میں ہے اور تقریباً ایک کلو وزن رکھتا ہے۔

یہ واضح ہے کہ ہمارے خواب میں اصل سر اور اصل دماغ کے علاوہ کوئی دماغ نہیں جو شبیہوں کو دیکھ رہا ہے وہ خواب میں اصل دماغ نہیں بلکہ اس کے ماورا ایک وجود ہے۔

درحقیقت خواب کے گرد و پیش اور جسے ہم "اصل دُنیا" کہتے ہیں دونوں میں کوئی قابل ذکر فرق نہیں اس لئے جب ہم یہی سوال اپنی روزمرہ زندگی میں کرتے ہیں تو ایسا ہی جواب دینا زیادہ معقول نہیں۔ جو دیکھتا ہے وہ دماغ سے اس پار ہے اور وہ ایک ایسا وجود ہے جو بالکل مختلف خصوصیات کا حامل ہے۔ یہ وجود ایسا ہے جو محسوس کرتا، چھوتا، دیکھتا، سنتا، خوف رکھتا اور اپنے کو "میں" کہلاتا ہے۔ یہ وجود ہیئت ہے لیکن نہ تو مادہ ہے اور نہ ہی عکس۔ اس کو جسم کا حصہ جو ایک کلو اور تین سو گرام وزن رکھتا ہو، کہنا غیر معقول ہے۔ یہ اس لئے کیونکہ وہ ایٹم جو خلیے بناتے ہیں اُن کے لئے ناممکن ہے کہ ایک مکمل تین رُخی دُنیا تخلیق کر لیں۔ جب دماغ کا گہرا معائنہ کیا جائے تو ہمیں اسفوا ایسڈز جیسے طبعی ساخت والے سالموں سے واسطہ پڑتا ہے جو کائنات کے ہر حصے میں عام ہیں۔ دوسرے الفاظ میں دماغ میں کوئی مقام یا سیاحت ایسی موجود نہیں جو شبیہیں تخلیق کرتی ہو یا شعور بناتی ہو۔

ظاہر ہے وجود جو محسوس کرتا، دیکھتا، سوچتا ہے اور اپنے کو "میں" کہلاتا ہے، وہ دماغ سے پار ہے مذہب اس وجود کو روح کہتا ہے۔ دوسری طرف بیرونی دُنیا، بالکل ہمارے خوابوں کی طرح، شبیہوں کی شکل اختیار کر لیتی ہے جو اللہ کی طرف سے ہماری روح کو پیش کیے جاتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں انسان کائنات میں نہیں بلکہ کائنات انسان میں ہے۔

بیرونی دُنیا ہمیں اتنی اصلی کیوں نظر آتی ہے اس کی وجہ حواس اور شبیہوں کا کمال ہے۔ ہمارا خالق ہمارے لئے کمال دُنیا تخلیق کرتا ہے۔ جو چیز ہمیں دھوکے میں ڈالتی ہے وہ ان شبیہوں کی تخلیق کا کمال ہے۔ مختصراً ہم کائنات کی تصریح ایسے عکس کے طور پر کر سکتے ہیں جو اتنا مکمل ہے کہ اصل کہلاتا ہے۔

قرآن اس مسئلے کے ساتھ کیسا معاملہ کرتا ہے؟

اب تک ہم نے جو کہا، ہمیں کچھ اہم حقائق کو سمجھنے میں مدد دے گا۔ کائنات کی اصل حیثیت اوپر دی گئی وضاحت سے ظاہر ہوتی ہے اور مادہ پرستانہ سوچ کی فرمانروائی کا خاتمہ کرتی ہے جو ماضی میں اللہ کے وجود اور انسانوں کی وضاحت میں رائج تھی۔

مادہ پرستانہ سوچ اس مفروضے پر مبنی ہے کہ مادہ مطلق وجود رکھتا ہے۔ اب جب کہ ہم جانتے ہیں کہ مادہ مطلق نہیں بلکہ ایسا وجود ہے جو تصورات اور شبیہوں سے مل کر بنا ہے تو قوت، جس کی نسبت غلط طور پر مادہ کی طرف جاتی تھی، کا تعلق اللہ سے ہونا چاہیئے جو تمام شبیہوں کا خالق ہے۔ چونکہ مادہ تصورات کا مجموعہ ہے اس لئے جگہ اور مقام جیسے تصورات بھی غیر معقول ہو جاتے ہیں۔ اس صورت میں معیاری سوال "اللہ کہاں ہے" واضح ہو جاتا ہے۔ ان لوگوں کے مطابق جو قرآنی طرزِ زندگی اور سوچ سے وابستہ نہیں ہیں، اللہ اوپر آسمان میں، غور سے انہیں دیکھ رہا ہے اور دنیاوی معاملات میں شاذ و نادر دخل انداز ہوتا ہے۔ یہ ذہنیت مادے سے بنی دُنیا کو اللہ سے علیحدہ کر دیتی ہے۔ اللہ کے بارے میں علم، کچھ مذاہب میں اس ذہنیت پر مبنی ہے۔ یہی ذہنیت جاہلی معاشروں میں بھی عام ہے جن کے ارکان مسلمان ہونے کا دعویٰ رکھتے ہیں۔ حالانکہ جیسا کہ اب تک زور دیا گیا، مادہ محض ایک گمان ہے، یہ اللہ کے مادہ کے مجموعے سے باہر وجود ہونے کا نعم البدل نہیں۔ اللہ ہر جگہ ہے، کوئی چیز اللہ کے وجود سے باہر نہیں ہو سکتی۔ قرآن کی بہت سی آیات اس کی تصدیق کرتی ہیں۔

**"اور یاد کرو جب کہ ہم نے آپ سے فرما دیا کہ آپ کے رب نے لوگوں کو گھیر لیا ہے۔" (الاسرا 60)**

**"آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو گھیرنے والا ہے۔" (النسآء 126)**

**"یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔" (حٰم السجدۃ 54)**

**"اور مشرق اور مغرب کا مالک اللہ ہی ہے۔ تم جدھر بھی منہ کرو ادھر ہی اللہ کا مُنہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کشادگی اور وسعت والا اور بڑے علم والا ہے۔" (البقرۃ 115)**

**"اور وہی ہے معبود برحق آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی --- " (الانعام 3)**

**"اسی اللہ کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین کی اور وہ کوئی اولاد نہیں رکھتا۔ نہ اس کی سلطنت میں کوئی اس کا ساجھی ہے اور ہر چیز کو اس نے پیدا کر کے ایک مناسب اندازہ ٹھہرا دیا ہے۔" (الفرقان 2)**

**"... اور ہم اس کی رگِ جان سے بھی زیادہ اس (انسان) کے قریب ہیں۔"**

**(قٓ 16)**

**"وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، چھپے اور کھلے کا جاننے والا مہربان اور رحم کرنے والا وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، بادشاہ، نہایت پاک، سب عیبوں سے صاف، امن دینے والا، نگہبان، غالب زور آور، اور بڑائی والا، پاک ہے اللہ ان چیزوں سے جنھیں یہ اس کا شریک بناتے ہیں۔ وہی اللہ ہے پیدا کرنے والا وجود بخشنے والا، صورت بنانے والا، اسی کے لئے (نہایت) اچھے نام ہیں، ہر چیز خواہ وہ آسمانوں میں ہو خواہ زمین میں ہو، اس کی پاکی بیان کرتی ہے، اور وہی غالب حکمت والا ہے۔" (الحشر 22-24)**

اسلامی عالم جنہوں نے کائنات کی توضیح میں قرآنی نقطۂ نظر اپنایا، صدیوں پہلے یہ ذہن نشین کر لیا تھا کہ کائنات کی ہیئت مادی نہیں اور اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ چیزوں کی اصلیت کے بارے میں مفصل بیانات دیے، اسلامی تاریخ کے مفکروں میں سے ایک، امام ربانی اپنے خیالات یوں بیان کرتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ نے اپنے اوصاف (عادل، رحیم، رازق) آشکارہ کرنے کے لئے بہت سی اشیاء کا انتخاب کیا۔ یہ موجودات جو اس کی صفات کی مظہر ہیں، ان کا اصل لاشیئت ہے۔ عظیم الشان اللہ نے اپنی ہر صفت کے لئے کچھ اشیاء کا انتخاب عدمیت کی دُنیا میں کیا اور اُن کی تخلیق حواس اور فریب خیال کے دائرے میں کی اور یہ اس نے جب، جہاں اور جس طرح چاہا کیا۔

کائنات کا وجود حواس اور فریب خیال کے دائرے میں ہے اور بیرونی نہیں ہے۔ اس صورتِ حال میں، عدمیت میں ایک تسلسل، حواس اور فریب خیال کے دائرے میں نمودار ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے قوت اور استحکام حاصل کرتا ہے۔ اس طرح یہ ایک چیز بن جاتا ہے جو زندہ رہتی، علم رکھتی، عمل کرتی، چاہتی، دیکھتی، سنتی اور بولتی ہے۔ بیرونی دُنیا میں اس کی نمائش عکس اور سایے کے نام اور علامت کے طور پر ہوتی ہے درحقیقت باہر کچھ بھی نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے اوصاف وصفات کے۔

یہ سب اللہ تعالیٰ کی یقینی موجودگی کے شیشے پر نمودار ہوئے ہیں۔ باہر ان آثار کے سوا کچھ نہیں۔ انہوں نے بیرونی دُنیا میں ایک شبیہہ حاصل کر لی ہے۔ یوں لگتے ہیں جیسے یہ درحقیقت وجود رکھتے ہوں۔ صحیح معنوں میں باہر اللہ کے سوائے کچھ نہیں۔ (امام ربانی، مکتوبات ربانی صفحہ 517-519)

ایک اور اسلامی مفکر سید نوری بھی یہی پیغام دیتے ہیں۔

"مادی دُنیا کی اللہ تعالیٰ کے وجود کی عکاس ہونے کے ناطے ایک باطنی ہیئت ہے۔ یہ اللہ کے حکم سے اصل دُنیا ہو جاتی ہے۔ یہ اللہ کے ارادے سے یکساں اور مستقل بن جاتی ہے۔ مادی دُنیا نہ تو اصل دُنیا ہے نہ ہی خواب جیسی اور عارضی سایے کی طرح۔ اس کا وجود اللہ کی تخلیق سے ہے۔" (مکتوبات صفحہ 503)

اختتامی طور پر، بیرونی دُنیا ہمارے جسم سمیت ایک شبیہہ ہے جسے اللہ تعالیٰ ہماری روح کو پیش کرتا ہے۔ اس لئے اس کا اپنا کوئی وجود نہیں۔ کائنات انسان کے اندر ہے اور جو انسان کا احاطہ کئے ہوئے ہے وہ مادہ نہیں بلکہ اللہ ہے۔ یہ حقیقت یوں بیان کی جاتی ہے۔

**"ہم اس کے دل میں اٹھنے والے خیالات کو جانتے ہیں اور اس کی شہ رگ**

**سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔" (القرآن)**

قرآن پاک کی بہت سی آیات تخلیق کی ساخت کے مختلف پہلوؤں کو بیان کرتی ہیں۔

**"کیا ایسوں کو شریک ٹھہراتے ہیں جو کسی کو پیدا نہ کر سکیں اور وہ خود ہی پیدا کئے گئے ہوں۔" (الاعراف 191)**

**"اور جن جن کو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہیں وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے، بلکہ وہ خود پیدا کیے ہوئے ہیں۔" (النحل 20)**

مندرجہ ذیل آیت اللہ کی تخلیق کے تسلسل کے بارے میں ہے اور واضح کرتی ہے کہ کس طرح ہر شے پہ اللہ نے باکمال تخلیق کی ہے۔

**"کیا وہ جو مخلوق کی اوّل دفعہ پیدائش کرتا ہے پھر اسے لوٹائے گا اور جو تمہیں آسمان اور زمین سے روزیاں دے رہا ہے، کیا اللّٰہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ کہہ دیجئے اگر سچے ہو تو اپنی دلیل لاؤ۔" (النمل 64)**

کائنات کے مسلسل وجود کا مکمل انحصار اللہ تعالیٰ کے اپنی تخلیق کو جاری رکھنے کے ارادے سے ہے۔ یہ بالکل ٹی وی پروگرام کی طرح ہے جو اس وقت تک دیکھا جا سکتا ہے جب تک ٹی وی چینل سے نشر ہوتا رہے۔

چونکہ اللہ شبیہیں تخلیق کرتا ہے، ہر عمل بھی اسی نے تخلیق کیا ہے۔ اس کا مطلب ہے جب ہم چلتے ہیں، بھاگتے یا ہنستے ہیں تو ان حرکات سے وابستہ تمام صورتیں صرف اس لئے پیش ہوتی ہیں۔ کیونکہ اللہ ایسا چاہتا ہے۔

قرآن کی کچھ آیات جو اس بحث سے واضح طور پر میل کھاتی ہیں، ذہن میں آتی ہیں۔

**"سو تم نے انہیں قتل نہیں کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو قتل کیا۔ اور آپ نے خاک کی مٹھی نہیں پھینکی بلکہ اللہ تعالیٰ نے وہ پھینکی اور تاکہ مسلمانوں کو اپنی طرف سے ان کی محنت کا خوب عوض دے بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔" (الانفال 17)**

**"حالانکہ تمہیں اور تمہاری بنائی ہوئی چیزوں کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔" (الصّٰفّٰت 96)**

**"...... بلکہ سب کام اللہ کے ہاتھ میں ہے ......" (الرعد 31)**

مختصراً ہر شخص اللہ کے قابو میں ہے اور کوئی واقعہ روئے کار لایا نہیں جا سکتا۔ مگر اللہ کے ارادے اور کنٹرول سے۔ یہ حقیقت کہ اللہ ہمارے ذہنوں میں شبیہیں خاکوں کی صورت میں متشکل کرتا ہے، چند آیات تک محدود نہیں۔ مزید برآں قرآن ہی سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ بسا اوقات اللہ تعالیٰ کچھ واقعات لوگوں کو مختلف انداز سے دکھاتے ہیں۔

**"یقیناً تمہارے لئے عبرت کی نشانی تھی ان دو جماعتوں میں جو گتھ گئی تھیں، ایک جماعت تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑ رہی تھی اور دوسرا گروہ کافروں کا تھا وہ انہیں اپنی آنکھوں سے اپنے سے دو گنا دیکھتے تھے اور**

اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنی مدد سے قوی کرتا ہے۔ یقینا اس میں آنکھوں والوں کے لئے بڑی عبرت ہے۔" (آل عمران 13)

# نیند، خواب، موت اورآخرت

نیند کے بارے میں قرآن میں جو بیان ہوا، اس کی اوپر بیان کردہ موضوع کے اعتبار سے اہمیت ہے۔قرآن میں نیند کو یوں بیان کیا گیا ہے۔

**" اللہ ھی روحوں کو ان کی موت کے وقت اور جن کی موت نھیں آئی انھیں ان کی نیند کے وقت قبض کر لیتا ھے ، پھر جن پر موت کا حکم لگ چکا ھے انھیں تو روک لیتا ھے اور دوسری (روحوں ) کو ایک مقرر وقت تک کے لئے چھوڑ دیتا ھے۔ غور کرنے والوں کے لئے اس میں یقینا بھت سی نشانیاں ھیں۔" (الزمر 42)**

**" اور وہ ایسا ھے کہ رات میں تمھاری روح کو قبض کر دیتا ھے اور جو کچھ تم دن میں کرتے ھو اس کو جانتا ھے پھر تم کو جگا اُٹھاتا ھے تاکہ میعاد معین پوری کر دی جائے پھر اسی کی طرف تم کو جانا ھے پھر تم کو بتلائے گا جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔" (الانعام 60)**

قرآن میں نیند کی حالت کو موت سے نسبت دی گئی ہے۔نیند اور موت کے درمیان کوئی نمایاں امتیاز نہیں کیا گیا ۔ یہ ایک واضح اشارہ ہے کہ سوتے ہوئے جو تجربہ ہوتا ہے وہ موت کے وقت کے تجربے سے کافی مشابہ ہے۔

نیند اور موت میں کیا چیز یکساں ہے اور اس کی اہمیت کس قسم کی ہے؟ نیند میں انسان کی روح جسم سے نکلتی ہے بلکہ اللہ اسے لیتا ہے۔خواب میں دوسری طرف، روح نیا جسم حاصل کر لیتی ہے اور بالکل مختلف ماحول کا ادراک کرنے لگتی ہے۔آیت میں "اُٹھا کھڑا کرنے" کا جو حوالہ دیا گیا ہے وہ روح کا واپس اصل جسم میں لوٹنا ہے اور روزمرہ زندگی سے گزرنے کے سلسلے کا جاری رہنا۔

یوں کہا جا سکتا ہے، موت ہماری دنیاوی زندگی کے تجربے کا خاتمہ کر دیتی ہے۔ اس عمل کے ذریعے روح نیا جسم حاصل کر لیتی ہے اور اس کے ساتھ بالکل مختلف زندگی شروع کرتی ہے۔یہ دراصل مذہب کے بارے میں مشکل سے سمجھ میں آنے والے کچھ نظریات واضح کرنے میں بنیادی تصور ہے۔

مثال کے طور پر موت اور بعث بعد الموت اللہ کی طرف سے ہماری روح کو پیش کئے جانے والی صورتوں کا محض تبادلہ ہے۔ ہر دن، ہر لمحہ اللہ تعالی ہمارے لئے دُنیا پھر سے تخلیق کرتے ہیں اور ہماری روح کو خوبصورتی کی نمائش مسلسل پیش کرتے رہتے ہیں۔یہی چیز نیند پر بھی لاگو ہوتی ہے نازک شبیہیں جو دن میں تخلیق کی جاتی ہیں وہ رات کو ہمارے خوابوں میں تخلیق کی جاتی ہیں ۔ اس طرح اس دُنیا سے اگلی دُنیا میں ہمارا مرور شاید ایسا ہی آسان ہو جیسے نیند کی کیفیت میں چلے جانا ۔ اس دُنیا سے متعلق تصویریں دوسری دُنیا کی تصویروں میں بدل جاتی ہیں اور موت ایک نقطہ تغیر ہے۔

خواب بھی شبیہیں ہیں جن کا ہماری روح دن کے تجربے کی طرح ادراک کرتی ہے۔مندرجہ ذیل آیت پہلے اللہ کی انسان سے قربت یاد دلاتی ہے اور پھر وضاحت کرتی ہے کہ اللہ تعالی کس مقصد کے لئے خواب تخلیق کرتے ہیں۔

**" اور یاد کرو جب کہ ھم نے آپ سے فرما دیا کہ آپ کے رب نے لوگوں کو گھیر لیا ھے۔ جو رؤیا (عینی رؤیت) ھم نے آپ کو دکھائی تھی وہ لوگوں کے لئے صاف آزمائش ھی تھی .... " (بنی اسرائیل 60)**

چونکہ خواب انسانی روح کو اللہ کی طرف سے دکھائے جاتے ہیں، کچھ اقسام کے خواب ایسے بھی ہو سکتے ہیں جن سے لوگ ہونے والے واقعات جان لیتے ہوں ۔قرآن میں ایسے خوابوں کی بہت سی مثالیں ہیں جسے (سورۃ الفتح آیت 27)، حضرت یوسفؑ کے خواب جو وہ اپنی زندگی کے مختلف مراحل میں دیکھتے ہیں ۔

خوابوں پر غور وفکر کرنے ہی سے ایک انسان اوپر بیان کردہ حقائق کو سمجھ سکتا ہے ۔ جو لوگ خوابوں کو دماغ کا ایک عمل قرار دیتے ہیں ۔وہ کہتے ہیں کہ خواب کے دوران وہ دماغ سے کچھ اشارے وصول کرتے ہیں اور یہ کہ یہ اس بات کی شہادت ہے کہ ہر چیز دماغ میں ہوتی ہے لیکن یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ علت اور انجام کے باہمی تعلق کے مطابق ہی اللہ تعالی ہر چیز تخلیق کرتے ہیں ۔

اس کا مطلب ہے کہ انسان کا جسم اور روح قریبی تعلق رکھتے ہیں ۔غم، تکلیف، محبت وغیرہ جیسے جذبات کا دماغ پر اثر انداز ہونا جسم اور روح کے درمیان تعلق کا طبعی نتیجہ ہے لیکن دماغ نہیں بلکہ روح جذبات کو محسوس کرتی ہے ۔

# وقت کا نظریۂ اضافت

اللہ تعالیٰ جو کہ ہر چیز کا خالق ہے، اسی نے زمان ومکان کو بھی تخلیق کیا ہے۔اس سے پہلے ان کا کوئی وجود نہ تھا۔دراصل "پہلے" بھی موجود نہ تھا کیونکہ یہ تصور بھی جدید طبیعات کے مطابق زمان ومکاں میں محدود ہے۔تاہم اگر دیکھا جائے تو زمان ومکان بھی محض گمان ہیں۔قرآن کی بہت سی آیات زور دیتی ہیں کہ وقت ایک اضافی تصور ہے۔

**"اللہ تعالیٰ دریافت فرمائے گا کہ تم زمین میں باعتبار برسوں کی گنتی کے کس قدر رہے؟ وہ کہیں گے ایک دن یا ایک دن سے بھی کم، گنتی گننے والوں سے پوچھ لیجئے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا فی الواقع تم وہاں بہت ہی کم رہے ہو۔ اے کاش! تم اسے پہلے ہی سے جان لیتے۔" (المومنون 114-112)**

**"جس دن صور پھونکا جائے گا اور گناہ گاروں کو ہم اس دن (دہشت کی وجہ سے) نیلی پیلی آنکھوں کے ساتھ گھیر لائیں گے۔ وہ آپس میں چپکے چپکے کہہ رہے ہوں گے کہ ہم تو (دنیا میں) صرف دس دن ہی رہے۔ جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں اس کی حقیقت سے ہم باخبر ہیں، ان میں سب سے زیادہ اچھی راہ والا کہہ رہا ہو گا کہ تم تو صرف ایک ہی دن رہے۔" (طٰہٰ 104-102)**

آیات اشارہ کرتی ہیں کہ آخرت میں یہ دُنیا کی زندگی جو ہمیں سالوں پر محیط نظر آتی ہے، ایک لمحے سے زیادہ گزری ہوئی نہ لگے گی جیسے خوابوں میں اور مصنوعی نیند کے زیرِ اثر وقت گزرتا ہے۔ جب سوتے میں ہم خواب دیکھتے ہیں۔ہم سوچتے ہیں کہ یہ گھنٹوں اور دنوں چلا۔تاہم سائنسی معلومات بتاتی ہیں کہ یہ چند منٹ بلکہ سیکنڈ ہی رہا۔اسی طرح جب ہم اس زندگی بھر کی نیند سے جاگیں گے تو اس دُنیا کے وقت کا شمار یا اندازہ بہت تھوڑا محسوس ہو گا۔

# عِلّت اور انجام : گمراہ کن نسبت

ہماری پیدائش کے وقت سے لے کر ہمیں بتایا گیا کہ کچھ علتوں کو کچھ نتائج سے جوڑنا ہے یہ مادیت پرست ذہنیت کے فکری عمل کا طبعی نتیجہ ہے۔ تاہم قرآن ہمیں زمین پر مختلف قسم کے قانون کے متعلق معلومات دیتا ہے۔

**۔" کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے سایے کو کس طرح پھیلا دیا ہے؟ اگر چاہتا تو اسے ٹھہرا ہوا ہی کر دیتا ۔ پھر ہم نے آفتاب کو اس پر دلیل بنایا ۔" (الفرقان 45)**

یہاں اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ سایہ سورج سے الگ تخلیق کیا گیا ہے اور اس کے طبعی نتیجے کے طور پر ظاہر نہیں ہوتا ۔ یہ بھی زور دیا گیا کہ سورج، سایے کی شہادت کے طور پر مہیا کیا گیا ہے۔

سورج اور سایے کی اس آیت میں مثال ظاہر کرتی ہے کہ کوئی واقعہ، وجہ کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ علت اور نتیجہ دونوں درحقیقت اللہ نے تخلیق کئے ہیں دوسرے الفاظ میں چیزوں کے وقوع پذیر ہونے کی وجہ وہ کچھ نہیں جو محسوس ہوتی ہے ۔قوت کا مالک اللہ ہے اور اللہ ہر صورت، وقت کے ہر لمحے میں تخلیق کرتا ہے۔

زندگی کا وجود صرف اس لئے ہے کیونکہ اللہ اسے تخلیق کرتا ہے۔آیت "اللہ ہی وہ ذات ہے جو تمہیں اور جو کچھ تم کرتے ہو اسے تخلیق کرتا ہے ۔" صاف طور پر اس حقیقت کو بیان کرتی ہے۔

جب ہم یاد کرتے ہیں کہ بیرونی دُنیا کے ادراک اور خوابوں میں کوئی فرق نہیں تو ہمیں سایے اور سورج کے درمیان تعلق کی بہتر سمجھ آتی ہے۔کیا خواب میں ہم جو سایہ دیکھتے ہیں وہ سورج کی وجہ سے بنتا ہے؟ ایک غیر موجود سورج سائے کے وجود کی وجہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اس پر مزید یہ کہ بعض اوقات روشن سورج جو ہم اپنے خواب میں دیکھتے ہیں ہماری آنکھوں کو خیرہ کر سکتا ہے ۔ایسے خواب میں چونکہ کوئی اصلی سورج کی روشنی نہیں، چمک کا احساس خاص طور پر علیحدہ تخلیق کیا جاتا ہے۔یہی منطق اس پھل کے ذائقے کے احساس کے لئے بھی سچ ہے جو ہم کھاتے ہیں یا اپنے خواب میں کسی چیز سے ٹکر کھانے پر جو درد ہم محسوس کرتے ہیں۔

اس کی وجہ کہ ہم فطری واقعات کو علت اور انجام کے طور پر کیوں محسوس کرتے ہیں یہ ہے کیونکہ ان واقعات کی ترتیب بھی اللہ نے تخلیق کی ہے۔

یہ فلم کے فریمز سے مشابہ ہے۔ہماری زندگی انہی فریمز سے بنی ہے جو ایک ایک کر کے تخلیق کئے گئے ہیں مثلاً پہلے چوکھٹے میں درخت اور دوسرے میں پھل ۔اس کی وجہ لوگ یہ سوچتے ہیں کہ درخت پھل کی علت ہے کیونکہ یہ واقعات ایک کے بعد ایک کر کے وقوع پذیر ہوتے ہیں تاہم اللہ درخت اور پھل دونوں کو الگ تخلیق کرتا ہے۔

# "بے کارنامہ" : فطرت کے قوانین

ان معلومات کی روشنی میں انسان سوچ سکتا ہے کہ قوانینِ فطرت دراصل کیا ہیں؟ ایک ایسا ماحول جہاں ہر چیز صورت یا حواس سے بنی ہے، ایک قانون کا کیسے آغاز ہوسکتا ہے؟ کیا پانی میں "اٹھانے کی طاقت" ہوسکتی ہے؟ اس طرح ہوا کی رگڑ کی قوت کو کیسے واضح کیا جا سکتا ہے جب کہ ہوا دراصل خیالی ہے؟

قرآن کی آیات ان قوانین فطرت کی صاف وضاحت کرتی ہیں۔ مجموعی طور پر تسلیم شدہ مادہ پرستانہ نظریے کے برعکس۔

**" کیا ان لوگوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا جو تابع فرمان ہو کر فضا میں ہیں؟ جنہیں بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی اور تھامے ہوئے نہیں، بیشک اس میں ایمان لانے والے لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔ " (النحل 79)**

**" تمہارا پروردگار وہ ہے جو تمہارے لئے دریا میں کشتیاں چلاتا ہے تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو۔ وہ تمہارے اوپر بہت ہی مہربان ہے۔ "۔ (بنی اسرائیل 66)**

**" بے شک اللہ تعالیٰ دانہ اور گٹھلی کو پھاڑنے والا ہے، وہ جاندار کو بے جان سے نکال لاتا ہے اور وہ بے جان کو جاندار سے نکالنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ ہے، سو تم کہاں اُلٹے چلے جا رہے ہو؟" (الانعام 95)**

جن چیزوں کو ہم قوانینِ فطرت کہتے ہیں وہ اللہ کے پیہم تخلیق کے نمونے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بیج کی صورت، علت کے طور پر پھول کی صورت تخلیق کرنے سے پہلے تخلیق کرتا ہے۔ پھول کی شبیہہ بیج سے پہلے کبھی نہیں تخلیق کی جاتی۔ اگرچہ اللہ ہی علت اور نتائج کا خالق ہے، تخلیق شدہ نتائج ہمیشہ کچھ وجوہات سے بندھے ہوتے ہیں۔

آخر کار قانونِ فطرت اس پیہم تخلیقی عمل کو دیا گیا نام ہے۔ مثلاً چونکہ بحری جہاز ہمیشہ پانی پر تیرتے ہوئے تخلیق کئے جاتے ہیں، ہم پانی کی چیزوں کو سطح پر رکھنے کی خصوصیت کی بات کرتے ہیں اسی طرح جب ہم پرندوں کو اُڑتا دیکھتے ہیں ہم کہتے ہیں کہ ہوائی حرکات کی قوت اس کی وجہ ہے تاہم قرآن کی آیات جو بیان کرتی ہیں کہ اللہ پرندوں کو آسمان میں تھامے ہوئے ہے اور تمہارے لئے جہازوں کو تیراتا ہے، یہ حقیقت واضح کرتی ہیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی طاقت نہیں اور تمام تصویریں اسی طرح تخلیق کی جاتی ہیں۔ اس لئے قوانینِ فطرت جیسے پانی کی اُٹھان کی قوت اور کشش ثقل جن کو ہم سمجھتے ہیں کہ وجود رکھتی ہیں دراصل ہمارا تسلسل کے ساتھ اور کمال تخلیق کے مشاہدے کو موسوم کرنا ہے۔

آئن سٹائن اس حقیقت کو یوں بیان کرتا ہے۔

"موضوعات جیسے کششِ ثقل برقی مقناطیسی قوت، توانائی، بجلی اور قوت رفتار تمام نظریاتی ڈھانچے ہیں، یہ انسانی ذہن کی بنائی ہوئی مشابہتیں اور علامتیں ہیں تاکہ ہر چیز جو ہم دیکھتے ہیں اس کی تہہ میں بنیادی حقیقت کو واضح کیا جا سکے۔" (Bilim Ve Teknik (Science and Technique) V. 212, P. 28)

**"تمام تر غلبہ اللہ ہی کے لئے ہے۔۔" (یونس 65)**

قوت اور وقار جس کا مالک اللہ ہے کشش اور توانائی جیسے ناموں سے پکاری جاتی ہیں لحہ بھر فکر سے یہ با آسانی سمجھا جا سکتا ہے کہ ان ناموں کا

دراصل کوئی مطلب نہیں۔

خلاصہ یہ کہ مادہ پرست لوگ اور ایسے گروہ جو خیالی دیوتا بنانے کے شوقین ہیں جن پر وہ ایمان رکھتے ہیں، انہوں نے بے معنی اصطلاحات جیسے 'Mother nature' گھڑ لئے ہیں جو بے کار نام ہیں۔

قرآن میں حضرت یوسفؑ کے الفاظ اس حقیقت کا اظہار واضح طور پر کرتے ہیں۔

**"اس کے سوا تم جن کی پوجا پاٹ کر رہے ہو وہ سب نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے خود ہی گھڑ لئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی، فرمانروائی صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے، اس کا فرمان ہے کہ تم سب سوائے اس کے کسی اور کی عبادت نہ کرو، یہی دین درست ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔" (یوسف 40)**

جو چیز ہمیں الجھن کا شکار کرتی ہے وہ شاید بیشتر لوگوں کا اس حقیقت سے ناواقفیت کا ہونا ہے جیسا کہ اوپر کی آیت میں بیان ہوا۔ تاہم ایک انسان بہتر طور پر سمجھے گا کہ یہ دُنیا محض خیالی ہے جب وہ اپنے آپ کو آخرت میں پائے گا۔ اس وقت انسان کو اللہ کے وجود پر غور وفکر کرنا اور سمجھنا چاہیے کیونکہ آخرت میں کافروں کی حالت قرآن میں یوں بیان ہوئی ہے۔

**"اور کافروں کے اعمال کی مثال اس چمکتی ہوئی ریت کی ہے جو چٹیل میدان میں ہو جسے پیاسا شخص دُور سے پانی سمجھتا ہے لیکن جب اس کے پاس پہنچتا ہے تو اسے کچھ بھی نہیں پاتا، ہاں اللہ کو اپنے پاس پاتا ہے جو اس کا حساب پورا پورا چکا دیتا ہے، اللہ بہت جلد حساب کر دینے والا ہے۔" (النور 39)**

# حصّہ سوئم

## ہمارے گرد و پیش میں معجزات

**"ہم نے زمین اور آسمانوں اور ان کے درمیان کی چیزوں کو کھیل کے طور پر پیدا نہیں کیا۔ بلکہ ہم نے انہیں درست تدبیر کے ساتھ ہی پیدا کیا ہے، لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔" (الدخان 38-39)**

اس کتاب کے شروع میں ہم نے ایک آدمی کی مثال دی تھی جو اچانک وجود میں آ گیا تھا۔ ہم نے بیان کیا تھا کہ یہ شخص کیسے اپنے وجود اور ماحول کا معائنہ بہت تعریف اور تعجب کے ساتھ کرے گا۔ یہ بھی بتایا گیا تھا کہ ہماری حالت اس آدمی سے زیادہ مختلف نہیں تا ہم معاشرے سے اپنائے ہوئے روّیے اور عادات کی وجہ سے ہم بھول گئے کہ کس طرح اپنے گرد موجودات کے کمال پر حیران متعجب، حتیٰ کہ کسی لحاظ سے متاثر ہوں۔ دوسرے الفاظ میں ہم اپنی آنکھوں کے سامنے پائے جانے والے معجزات کو سمجھنے کی استطاعت سے محروم ہو گئے۔

قرآن کی آیات پر محیط اہم موضوعات میں سے ایک اس لاتعلقی کو توڑنا ہے جو ان عادات اور ناقص سوچ کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہے۔ قرآن کی کچھ آیات کچھ لوگوں کا تذکرہ کرتی ہیں جو اللہ کے معجزات یا دوسرے ثبوت کا انتظار کرتے گمراہ ہو گئے۔ اس سے پہلے کہ وہ اللہ کو مانیں تو دوسری آیات ایک معجزاتی عمل میں حقیقت کے ذریعے کی طرف دلالت کرتی ہیں جو پہلے ہی ہر جگہ موجود ہیں۔

قرآن کے مطابق تمام زندہ اشیاء اللہ کے وجود اور قادر مطلق ہونے کی گواہی دیتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر تخلیق ایک خالق کو موسوم کرنے میں نمایاں خصوصیت کی حامل ہے۔

دراصل اللہ تعالیٰ کی باضابطہ، لطیف کاریگری اور لامتناہی دانائی کا اظہار ان اشیاء کی تخلیق سے ہوتا ہے۔

اب ہم قرآن میں دی گئی جانوروں کی مخصوص مثالوں پر غور کریں گے۔

# شہد کی مکھی

**''اور تیرے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ پہاڑوں میں درختوں اور لوگوں کی بنائی ہوئی اونچی اونچی ٹٹیوں میں اپنے گھر بنا اور ہر طرح کے میوے کھا اور اپنے رب کی آسان راہوں میں چلتی پھرتی رہ، ان کے پیٹ سے رنگ برنگ کا مشروب نکلتا ہے جس کے رنگ مختلف ہیں اور جس میں لوگوں کے لئے شفا ہے غور و فکر کرنے والوں کے لئے اس میں بھی بہت بڑی نشانی ہے۔'' (النحل 68-69)**

قرآن کی ' النحل ' یا شہد کی مکھی نامی سورت میں مندرجہ بالا آیت آگاہ کرتی ہے کہ یہ چھوٹا سا جانور اپنے اندر تخلیق کے بہت سے راز رکھتا ہے۔

کیا آپ کو کبھی خود یاد ہے کہ اس لذیذ کھانے شہد اور اس کے بنانے والی شہد کی مکھی کے بارے میں پیچیدہ کہانی کے بارے میں سوچیں؟

درحقیقت شہد کی مکھیاں شہد نامی حیرت انگیز غذا سردی کے مہینوں کی تیاری میں ذخیرہ کرتی ہیں جب ان کے لئے پھول ڈھونڈنا مشکل ہو جاتا ہے۔ عام طور پر جانور خود استعمال کرنے کی اصل مقدار سے زیادہ ذخیرہ کرنے کی تکلیف نہیں کرتے۔ تاہم شہد کی مکھیاں اپنی اصل ضرورت سے بہت زیادہ مقدار میں شہد بناتی ہیں۔ یہ بالکل مرغی کے غیر ضروری طور پر ہر روز انڈہ دینے یا گائے کا اپنے چھوٹے بچے کی ضرورت سے کہیں زیادہ دودھ دینے کی طرح ہے۔

یقیناً پہلا سوال جو ہمارے ذہن میں آتا ہے وہ یہ ہے "یہ ہزاروں سالوں سے جاری پیداوار کی بہتات" ختم کیوں نہیں ہوئی؟ اس سوال کا جواب اوپر کی آیت میں ہے جو واضح کرتی ہے کہ کس طرح شہد کی مکھی کو شہد بنانا سکھایا گیا ہے۔

شہد کی مکھیوں کے چھتے میں زندگی اور ان کا شہد بنانا عمل کے اعتبار سے بہت دلچسپ ہے۔ بہت زیادہ تفصیل میں جائے بغیر آیئے شہد کی مکھیوں کی اجتماعی زندگی کی بنیادی خصوصیات کے بارے میں تحقیق کریں۔

## ☆نمی کی مقدار کو متناسب رکھنا:۔

سال میں دس مہینے چھتے میں درجۂ حرارت، انڈوں کے سینے کے مرحلے میں 32 درجے سینٹی گریڈ ہونا چاہئے نمی کا تناسب جو شہد کو محفوظ رکھنے کی صفت کے حصول میں خصوصی اہمیت رکھتا ہے، ایک خاص حد کے اندر رکھنا پڑتا ہے۔ اگر یہ حد تجاوز کر جائے تو شہد خراب ہو جاتا ہے اور اپنی حفاظتی اور غذائی صفات کھو دیتا ہے۔ چھتے میں درجۂ حرارت اور نمی کا خاص حدود میں تناسب برابر قائم رکھنے کی غرض سے مکھیوں کا ایک گروپ خصوصاً اس کام کے لئے مقرر کیا جاتا ہے جو ہوا کا انتظام برقرار رکھتا ہے۔

## ☆ایئر کنڈیشننگ:۔

شہد کی مکھیاں چھتے کو ٹھنڈا کرنے اور صحیح مقدار میں نمی والا شہد بنانے کے لئے ہوا کا انتظام کرتی ہیں۔ یہی انتظام چھتے کو دھوئیں اور فضا کی آلودگی سے بچاؤ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ گرم دن میں مکھیوں کو چھتے میں ہوا کا انتظام کرتے ہوئے دیکھا جا سکتا ہے۔ وہ داخل ہونے کی جگہ گھیر لیتی ہیں اور لکڑی کے فرش سے چمٹ کر اپنے پروں سے چھتے کو ہوا دیتی ہیں ایک معیاری چھتے میں اندر آنے والی ہوا کو دوسری طرف سے نکالنے کے لئے عمل کیا جاتا ہے۔ چھتے میں زاید ہوا کا انتظام بھی ہوا کو چار مختلف سمتوں میں دھکیلتا ہے۔

اب ایک اور سوال ذہن میں آتا ہے۔ شہد کی مکھیاں کس طرح نمی کی مقدار کو متناسب رکھنے اور ائیر کنڈیشننگ کے عمل کا منصوبہ بناتی اور اس کو بروئے کار لاتی ہیں؟ یہ طریقِ عمل انتہائی حکمت اور شعور مانگتا ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ ان جانوروں کے اندر اس قابلیت کا ہونا ممکن نہیں۔ پھر اس حکمت اور شعور کا اصل منبع تلاش کرنا چاہیے۔

## ☆ نظامِ صحت:۔

شہد کی خاصیت کو محفوظ کرنے کے لئے شہد کی مکھیوں کی کوششیں صرف نمی کے تناسب کی باقاعدگی اور ائیر کنڈیشننگ تک ہی محدود نہیں ہیں۔ چھتے میں ایک شاندار نظامِ صحت کام کرتا ہے جو ان تمام واقعات کو کنٹرول کرتا ہے جو بیکٹیریا پیدا ہونے کا باعث بنیں۔ اس نظام کا پہلا مقصد ہر اس جگہ کو تباہ کرنا ہوتا ہے جو بیکٹیریا کے پیدا ہونے کا ذریعہ بن سکتے ہوں اس نظام صحت کا بنیادی اصول چھتے میں اجنبی چیزوں کے داخلے کو روکنا ہے۔ اس وجہ سے چھتے میں داخل ہونے کی جگہ پر ہمیشہ دو نگہبان پائے جاتے ہیں۔ اگر کوئی اجنبی چیز یا کیڑا مکوڑا تمام حفاظت کے باوجود چھتے میں داخل ہو جائے تو تمام مکھیاں اسے چھتے سے باہر نکالنے میں سرگرم ہو جاتی ہیں۔

ایسے تمام اجنبی مادے جن کا باہر نکالنا مشکل ہو، تو ایک اور حفاظتی عمل شروع ہو جاتا ہے۔ شہد کی مکھیاں ایسی تمام صورتِ حال کے لئے ایک مادہ بناتی ہیں جسے پروپولس یا شہد کی مکھی کا گوند کہا جاتا ہے۔ وہ چیڑ، پاپولر اور ببول جیسے درختوں سے گوند اکٹھا کر کے اسے بناتی ہیں پھر اس میں خاص رطوبتیں ملا دیتی ہیں۔ پروپولس کا بنیادی استعمال بیکٹیریا کے حملے سے اس کی مزاحمت ہے۔ خطرناک قسم کے مادے، اس طرح 1.5 ملی میٹر موٹی پروپولس کی تہہ کے نیچے چھپا دیے جاتے ہیں اور چھتے سے الگ کر دیے جاتے ہیں۔

دلچسپ بات یہ کہ یہی گوند چھتے میں ہونے والے کسی شگاف کو پُر کرنے کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ یہ گوند جلد ہی سوکھنے کے بعد ہوا کے ساتھ عمل کر کے سخت سطح بنا دیتا ہے۔ اگر ہم یہ بھی جان لیں کہ شہد کی مکھیاں یہ مادہ شعوری طور پر خارج کرتی ہیں جس سے وہ اجنبی ذرات کو ڈھانپتی ہیں تو ہم مکھیوں کی اس رطوبت کی اینٹی بیکٹیریا صفت کو کیسے واضح کر سکتے ہیں؟ کیا ہم جو شہد کی مکھی سے عقل مند ہیں، اپنے جسم کی کسی رطوبت کو اینٹی بیکٹیریا صفت دینے کے قابل ہیں؟

آخر کار یہ بالکل واضح ہے شہد کی مکھیوں کا جسم اور اس کی رطوبتیں ٹھیک ٹھیک تدبیر شدہ اور تخلیق کردہ ہیں۔

## ☆ صفائی:۔

شہد کی مکھیاں اپنا فضلہ کبھی چھتے میں نہیں چھوڑتیں۔ وہ اُڑتے ہوئے یا چھتے سے دُور اس کا اخراج کرتی ہیں۔

## ☆ خانے:۔

شہد کی مکھیاں چھوٹے چھوٹے موم کے کمرے ترتیب دیتی ہیں اور ایسا چھتہ تیار کرتی ہیں جن میں تیس ہزار مکھیاں اکٹھا رہتی اور کام کرتی ہیں۔ چھتہ موم کی دیواروں سے بنا ہوا ہوتا ہے۔ جس کی سطح پر بے شمار چھوٹے خانے ہوتے ہیں۔ تمام خانے جن سے مل کر چھتہ بنتا ہے بالکل ایک ہی سائز اور رُخ کے ہوتے ہیں۔ یہ انجینئرنگ کا معجزہ ہزاروں مکھیوں کے اجتماعی طور پر کام کرنے سے کئی گنا بڑھ جاتا ہے۔ شہد کی مکھیاں یہ خانے، غذا اسٹور کرنے اور چھوٹی مکھیوں کی پرورش کے لئے استعمال کرتی ہیں۔

شہد کی مکھیاں چھتے کی تیاری میں کروڑوں سالوں سے چھ کونی ساخت استعمال کر رہی ہیں۔ انہوں نے آٹھ کونی، گول یا پانچ کونی ساخت کے بجائے چھ کونی ساخت ہی کیوں منتخب کی؟ ریاضی دانوں نے اس سوال کا جواب تلاش کرنے کے لئے بہت سی کوششیں کیں۔ حساب وشمار نے ثابت کیا کہ چھ کونی ساخت ہی سب سے زیادہ موزوں اور مفید اقلیدی (Geometric) شکل ہے۔ جس سے چھتے میں اکائی رقبے سے زیادہ سے زیادہ فائدہ

اُٹھایا جاسکے۔اگر چھتے کے خانے کسی اور ساخت میں بنائے جاتے تو بغیر استعمال کی فالتو جگہ بچ جاتی۔اس طرح کم شہد ذخیرہ ہو سکتا۔اسی طرح شہد کی مکھیوں کی آبادی بھی کم ہوتی۔چھ کونی ساخت کے خانوں کا ایک اور فائدہ یہ ہے کہ اس کے بنانے میں کم سے کم موم خرچ ہوتی ہے۔

## ☆چھتہ، تعمیر سازی کا معجزہ:۔

چھتے کی تعمیر اوپر کی طرف سے شروع کی جاتی ہے اور دو یا تین علیحدہ قطاروں میں ایک ساتھ نیچے کی طرف جاری رکھی جاتی ہے۔جبکہ چھتہ دو مختلف سمتوں میں بڑھتا ہے۔اس کی دو قطاروں کے نیچے کے سروں کو جڑنا ہوتا ہے۔ یہ کام زبردست تعاون اور باقاعدگی کے ساتھ ذہن نشین کیا جاتا ہے۔اس لئے یہ بتانا کبھی ممکن نہیں کہ چھتہ شروع میں تین الگ حصوں سے بنا۔

مختلف نقطوں سے شروع ہونے والے علیحدہ حصے اتنی مہارت سے جوڑے جاتے ہیں کہ اگر چہ اس کی ساخت میں کئی سو زاویے ہوتے ہیں، یہ سب ایک ہموار ٹکڑا محسوس ہوتا ہے۔

جو خانے ان دو قطاروں کو ملاتے ہیں ان کی بھی بالکل صحیح چھ کونی ساخت ہوتی ہے اور باقی تمام خانوں کی طرح وہی پیمائش ہوتی ہے۔ایک خانہ بھی دوسرے سے مختلف نہیں ہوتا۔سائنس دان اس بات پر بہت حیران ہیں کہ ہزاروں مکھیوں کا کام کس طرح اتنے باضابطہ حساب سے انجام پاتا ہے۔

## ☆سمت کا تعین:۔

شہد کی مکھیوں کو عموماً غذا اور وسیع میدان ڈھونڈنے کے لئے لمبے فاصلوں تک اُڑنا پڑتا ہے۔وہ پھولوں کے ذرات اور شہد کے اجزا چھتے سے تقریباً آٹھ سو میٹر کے Range میں اکٹھے کرتی ہیں۔جو مکھی پھول ڈھونڈ لیتی ہے، باقی مکھیوں کو اس مقام کے بارے میں اطلاع دینے کے لئے واپس آتی ہے۔لیکن وہ اپنی دوستوں کو کس طرح جگہ کے بارے میں سمجھائے؟ واپس آنے والی مکھی ایک خاص قسم کا ڈانس کرتی ہے۔یہ ڈانس دوسری مکھیوں کو پھولوں کے مقام کے بارے میں بتانے کا طریقہ ہے۔یہ ڈانس جو کئی بار دہرایا جاتا ہے، اس میں سمت اور فاصلے کے بارے میں معلومات ہونے کے ساتھ دوسری تفصیلات ہوتی ہیں جو باقی مکھیوں کو نشانے تک پہنچنے کے قابل بناتی ہیں۔یہ ڈانس دراصل ہوا میں '8' کا ہندسہ بناتے ہوئے کیا جاتا ہے۔

مکھی 8 کا درمیانی حصہ اپنی دُم کو ہلا کر اور زگ زیگ بناتے ہوئے کرتی ہے۔زگ زیگ کے درمیانی زاویے اور سورج اور چھتے کے درمیانی لکیر، غذائی ذریعے کے بارے میں صحیح سمت بتاتی ہے تاہم صرف سمت کے بارے میں جان لینا کافی نہیں۔کارکن مکھیوں کو جانے سے پہلے چھتے سے پھولوں تک فاصلے کے بارے میں بھی معلومات درکار ہوتی ہیں۔اس لئے واپس آنے والی مکھی فاصلہ بتانے کے لئے اپنے جسم کو کئی بار ہلاتی ہے۔مثلاً 250 میٹر کا فاصلہ سمجھانے کے لئے وہ آدھے منٹ میں اپنے جسم کے نچلے حصے کو پانچ دفعہ ہلاتی ہے۔اس طرح فاصلہ اور زاویے کے بارے میں صحیح معلومات فراہم کرتی ہے۔

اگر چھتے سے پھولوں تک کا سفر زیادہ وقت لے رہا ہو تو مکھی کے لئے نیا مسئلہ شروع ہو جاتا ہے۔سورج ہر منٹ میں ایک درجہ حرکت کرتا ہے۔ غذائی مقام کے بارے میں تفصیل بتاتے ہوئے شاید مکھی چار منٹ کے پیچھے ایک درجے کی غلطی کرے گی، وہ وقت جو وہ چھتے کی طرف آتے ہوئے لگائے گی۔

لیکن مکھی کو بالکل کوئی مسئلہ نہیں ہوتا۔مکھی کی آنکھ بہت سے چھوٹے چھ کونوں والے عدسوں سے بنی ہوتی ہے۔ہر عدسہ دوربین کی طرح چھوٹے سے مقام پر Focus کرتا ہے۔جب مکھی دن میں سورج کی طرف اُڑتی ہے تو وہ ہر وقت اپنی صحیح پوزیشن جان لیتی ہے۔سائنس دان کہتے ہیں کہ مکھی سورج کی چمک کے ذریعے دن کے وقت کا اندازہ لگا کر کرتی ہے۔چنانچہ اس طرح وہ دوسری مکھیوں کی طرف اپنی سمت کو درست کر لیتی ہے تاکہ غلطی کا امکان باقی نہ رہے۔

# شہد کا معجزہ

**" آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ ہر طرح کے میوے کھا اور اپنے رب کی آسان راہوں میں چلتی پھرتی رہ ۔ ان کے پیٹ سے رنگ برنگ کا مشروب نکلتا ہے جس کے رنگ مختلف ہیں اور جس میں لوگوں کے لئے شفا ہے۔ غور و فکر کرنے والوں کے لئے اس میں بھی بڑی نشانی ہے۔" (النحل 69)**

تحقیقی تکنیک میں بہتری کے ساتھ چند سال پہلے ہی یہ ممکن ہوا کہ شہد کے اجزا ئے ترکیبی اور غذائی ذریعہ کے طور پر اس کی اہمیت کا جائزہ لے سکیں۔

بہت سے بین الاقوامی رسالوں نے شہد کو سرفہرست کہانی کے طور پر استعمال کیا ہے۔ جب کہ دوسرے لوگوں نے ایک قدم اور آگے بڑھ کر اس قیمتی غذائی ذریعے کے متعلق اضافی کاپیاں تیار کی ہیں۔ آیئے اللہ کے تخلیق کردہ اس چھوٹے سے جانور کی تیار کردہ ناقابلِ یقین غذا کی تفصیلات دیکھتے ہیں۔

شہد، گلوکوز، فرکٹوز، کاربوہائیڈریٹ، میگنیشیم، کیلشیم، سوڈیم، کلورین، سلفر، آئرن، اور فاسفیٹ جیسی معدنیات سے مل کر بنا ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ، شہد میں وٹامن بی ون، بی ٹو، سی، بی6، بی5، اور بی3 شامل ہیں۔ ان کی مقدار زرگل (Pollen) اور پھولوں کے رس کے منبع کے مطابق فرق ہوتی ہے۔ کاپر، آیوڈین، آئرن اور زنک بھی تھوڑی مقدار میں اور بہت سی قسم کے ہارمونز بھی پائے جاتے ہیں۔

" ورلڈ نحل پروری کانفرنس جو 20 سے 26 ستمبر 1993 میں چین میں منعقد ہوئی، کے دوران شہد سے اخذ شدہ مصنوعات کے ذریعے علاج پر بحث ہوئی۔ امریکی سائنس دانوں نے اس بات پر زور دیا کہ شہد، رائل جیلی، زرگل اور پروپولس (شہد کی مکھی کا گوند) بہت سی بیماریوں کے علاج کی قابلیت رکھتے ہیں۔ رومانیہ کے ایک ڈاکٹر نے کہا کہ وہ اپنے سفید موتیے کے مریضوں میں علاج کے طور پر شہد استعمال کرتا تھا اور دو ہزار چورانوے میں سے دو ہزار دو مکمل طور پر صحت یاب ہو گئے۔ تجربہ کار ڈاکٹروں نے شہد کی مکھی کی گوند کی بواسیر، جلدی بیماریوں، نسوانی بیماریوں اور دوسری بہت سی بیماریوں کے لئے شفائی خصوصیات کے بارے میں معلومات فراہم کیں۔

آجکل ترقی یافتہ ملکوں میں نحل پروری اور شہد کی مکھیوں کی مصنوعات، تحقیق کے مدعا ہیں۔ (حریت نیوز پیپر اکتوبر 19 , 1993 )

سائنس دان اس حقیقت پر متفق ہیں کہ صرف ایک چمچہ شہد بھی جسم کے لئے انتہائی فائدہ مند ہے کیونکہ شہد میں پائے جانے والے شکر کے سالمے دوسری قسم کی شکر میں تبدیل ہو سکتے ہیں۔ (جیسے فرکٹوز سے گلوکوز) اور اس میں پائی جانے والی تیزابیت کی بڑی مقدار کے باوجود حساس ترین معدے بھی اسے با آسانی ہضم کر لیتے ہیں۔ یہ گردوں کی کارکردگی کو بھی بہتر بنانے میں معاون ہے۔ شہد کے بارے میں ایک اور دلچسپ پہلو یہ ہے کہ جب اس کا موازنہ اتنی ہی مقدار کی چینی سے کیا جائے تو یہ 40 فی صد کم حرارے جسم کو دیتا ہے۔ شہد کی یہ خصوصیت وزن بڑھنے سے روکتی ہے۔

## ☆ خون میں جلد شامل ہو جاتا ہے:۔

شہد نیم گرم پانی میں لیا جائے تو صرف 7 منٹ میں دورانِ خون میں داخل ہو جاتا ہے اور بیس منٹ میں جب ٹھنڈے پانی کے ساتھ پیا جائے۔ اس میں پائے جانے والے شکر کے آزاد سالمے دماغ کی کارکردگی کو آسان بناتے ہیں۔

### ☆خون پیدا کرنے میں مدد دیتا ہے:۔

شہد نیا خون بنانے میں توانائی کے ذخیرے کا کردار ادا کرتا ہے اور خون کی کمی کے مریضوں کو اس عمل کو تیز کرنے میں معاون ہے۔ یہ خون کی صفائی اور اس کے مقوی ہونے میں بھی مدد دیتا ہے اس سے خون کی گردش باقاعدہ ہوتی ہے۔ یہ چھوٹی خون کی نالیوں کے مسائل پر بھی مثبت اثرات ڈالتا ہے۔

### ☆معدے کا دوست

شہد ایسیڈ وسس یا الکوحلک فرمنٹیشن کا باعث نہیں بنتا کیونکہ یہ جلد ہضم ہو جاتا ہے اس کے اندر آزاد ذرات چکنائی کو ہضم کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ یہ ماں اور گائے کے دودھ میں آئرن کے نہ ہونے کو بھی پورا کر دیتا ہے۔ آنتوں کے عمل کو بہتر بنانے کے ساتھ ساتھ یہ اندرونی سکون کا بھی باعث ہے اور بھوک میں اضافہ کرتا ہے۔

### ☆رائل جیلی:۔

رائل جیلی چھتے کے اندر کارکن مکھیوں کا بنایا ہوا سفید سیال ہے۔ اس قوت بخش مادے میں شکر، لحیات، چکنائی اور بہت سے حیاتین پائے جاتے ہیں۔ یہ جسم کی کمزوری اور بڑھاپے کے جسمانی اثرات جیسے مسائل میں استعمال ہوتا ہے۔

### ☆جراثیم کش خصوصیات:۔

یہ خصوصیت مزاحمتی اثر (Inhibition Effect) کہلاتی ہے۔ شہد پر کئے گئے تجربات نے ثابت کیا ہے کہ جراثیم کش اثرات، شہد کو پانی میں ملا کر پتلا کر کے پینے سے دو گنے ہو جاتے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ شہد کی وہ مکھیاں جو نوزائیدہ مکھیوں کی دیکھ بھال کرتی ہیں وہ بھی ان کو پتلا شہد ہی پلاتی ہیں۔

# اُونٹ

## "کیا وہ اُونٹ کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بنایا گیا؟"

سورۃ الجاثیہ کی یہ سترھویں آیت ہمیں بتاتی ہے کہ اونٹ ایک ایسا جانور ہے جس کا غور سے مطالعہ کرنا چاہیے۔ جب ہم اونٹ کے بارے میں سوچتے ہیں تو پہلی چیز جو دماغ میں آتی ہے وہ گرم موسم، قحط اور صحرا ہیں۔ صحرائی حالات کی سختی جہاں اونٹ لوگوں کی خدمت کرتا ہے، کچھ جواب طلب سوالات کا تقاضا کرتی ہے۔ یہ اس طرح ہیں۔

- پیاس
- غذا کی ضروت
- زمین کا بنجر پن
- طوفان اور بگولوں جیسے فطری واقعات
- توانائی کی ضرورت وغیرہ

اونٹ اس طرح تخلیق کیا گیا ہے کہ یہ تمام سوالات کو حل کر لے یوں انسان کے آرام اور سہولت جیسی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے انتہائی موزوں ہو۔

آیئے اب ایک نظر اس کی قابلیت اور خصوصیات پر ڈالیں

### ☆بھوک اور پیاس کا مقابلہ:۔

اورنٹ 50 درجے سینٹی گریڈ درجۂ حرارت میں کھائے یا پیئے بغیر آٹھ دن زندہ رہ سکتے ہیں۔

### ☆پانی کے استعمال کا بہتر یونٹ:۔

اونٹ صرف دس منٹ میں ایک سو تیس لیٹر پانی پی سکتے ہیں جو کہ تقریباً ان کے وزن کا ایک تہائی ہے۔ ان کی ناک کے اندر بل کھاتی ہوئی ساخت ہے جس کا سطحی رقبہ انسانی ناک سے سو گنا زیادہ ہے۔ اس سے اونٹ کو ہوا میں پائی جانے والی نمی کا 66 فی صد حصے سے فائدہ اٹھانے کی سہولت ہے۔

### ☆غذا اور پانی سے زیادہ سے زیادہ فائدہ لینا:۔

اکثر جانور یوریا کے جسم میں جمع ہو کر دورانِ خون میں شامل ہونے سے ہلاک ہو جاتے ہیں لیکن اونٹ یہ یوریا جگر کی طرف مسلسل بھیج کر اسے پروٹین اور پانی کے ذریعے کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ کوہان اونٹ کے لئے مزید فائدہ ہے۔ اونٹ کے جسم کا پانچواں حصہ چکنائی کی صورت میں کوہان میں ذخیرہ رہتا ہے۔ چکنائی کے اونٹ کے جسم کے صرف ایک حصہ میں جمع ہونے سے پورے جسم سے پانی کے استعمال کو روکتی ہے۔ یہ پانی کے کم سے کم استعمال کا باعث ہے۔

اگرچہ کوہان رکھنے والے اونٹ دن میں تیس سے پچاس کلوگرام کھانا کھا لیتے ہیں۔ لیکن یہ دو کلو گھاس پر تقریباً ایک مہینہ زندہ رہنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

اونٹ کے ربڑ کی طرح مضبوط ہونٹ ہوتے ہیں جن سے وہ ایسے کانٹے بھی کھا سکتا ہے جو چمڑے میں بھی داخل ہو جائیں۔ مزید برآں ان کا

نظامِ ہضم بہت مضبوط ہوتا ہے کہ وہ ہر نظر آنے والی چیز جیسے پلاسٹک کی پلیٹیں، کاپر کی تار اور سرکنڈے وغیرہ کھا سکتا ہے۔اس شاندار جانور کا چار خانوں کا معدہ اس طرح بنا ہے کہ وہ غیر غذائی مادوں سے بھی نبٹ لیتا ہے جو یہ ممکن بناتے ہیں کہ یہ جانور کھانے کے علاوہ دوسرے ذرائع سے بھی توانائی حاصل کر سکتا ہے۔یہ قابلیت یقیناً اسے بنجر علاقوں میں زندہ رہنے میں مدد دیتی ہے۔

## ☆طوفان اور بگولوں سے بچاؤ:۔

اونٹ کی آنکھوں پر پلکوں کی دو قطاریں ہوتی ہیں ۔ان پلکوں کی ساخت دو مختلف کنگھیوں کی طرح ہوتی ہے جو ایک دوسرے میں مضبوطی سے بند ہو جائیں ۔اس طرح ریت کے طوفان سے آنکھوں کی حفاظت ہوتی ہے۔اس ڈیزائن کا دوسرا فائدہ آنکھوں کو سورج کی شدید شعاعوں سے محفوظ رکھنا بھی ہے۔حیرت انگیز طور پر اونٹ اس قسم کے طوفانوں میں اپنی ناک کے سوراخ بھی بند کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

## ☆ جلنے اور شدید سرد موسمی حالات میں بچاؤ:۔

اونٹ کے جسم پر پائے جانے والے گھنے بال اس کی جلد کو سورج کی جھلنے والی گرمی سے محفوظ رکھتے ہیں ۔یہ جانور کو ٹھنڈا رکھنے میں مدد دیتا ہے۔پانی کو جسم میں بچا کر رکھتا ہے اور شدید پسینے کے خطرے کو کم کر کے اس کے پانی ختم ہونے کے امکانات کو کم کر دیتا ہے۔جلد پر خوب گھنے بال شدید سردی میں بھی اس کی حفاظت کرتے ہیں۔صحرائی اونٹ 70 درجے سینٹی گریڈ کے درجۂ حرارت سے بھی متاثر نہیں ہوتے۔دو کوہانی اونٹ سردی میں منفی 52 درجے سینٹی گریڈ درجۂ حرارت پر بھی زندہ رہتے ہیں ۔اس قسم کا اونٹ بلند پہاڑوں پر بھی زندہ رہتا ہے جو سطح سمندر سے چار ہزار میٹر بلند ہوں۔

## ☆گرم جلتی ہوئی ریت سے بچاؤ:۔

اونٹ کے پاؤں جو اس کے جسم کے لحاظ سے بڑے ہوتے ہیں اس کے وزن کی وجہ سے ریت میں دھنسنے سے بچاؤ میں مدد دیتے ہیں۔پاؤں کے نیچے خاص موٹی جلد صحرا کی تپتی ہوئی ریت سے حفاظت کا ذریعہ ہے۔

# اُونٹ ، بوجھ کا درندہ

**" اور وہ تمہارے بوجھ ان شہروں تک اُٹھالے جاتے ہیں۔ جہاں تم بغیر آدھی جان کئے پہنچ ہی نہیں سکتے یقیناً تمہارا رب بڑا ہی شفیق اور نہایت مہربان ہے۔" (النحل 7)**

اونٹ بہت مضبوط جانور ہیں ۔ وہ 250 کلوگرام کا وزن اُٹھا کر چالیس کلومیٹر کا فاصلہ طے کر سکتے ہیں اور بغیر بوجھ کے وہ 300 کلومیٹر کا فاصلہ طے کر سکتے ہیں ۔ اس صلاحیت کی وجہ سے اونٹ کو صحرا کا جہاز کہا جاتا ہے ۔ کیا اُونٹ نے صحرائی حالات کی مناسبت سے اپنے جسم کو موافق بنایا ہے؟ کیا اس نے اپنی ناک کی اندرونی سطح یا اپنی کمر پر کوہان خود بنائی ہے؟ قرآن میں یہ خطیبانہ سوال " کیا وہ اونٹ کو نہیں دیکھتے کیسے تخلیق کیا گیا؟ " سمجھایا ہے کہ اللہ کی تخلیق کی بہترین مثال دیکھ کر ہمیں کس قدر احترام محسوس ہونا چاہیے ۔

# مچھر

**" اللّٰہ تعالیٰ اس بات سے نہیں شرماتا کہ وہ مچھر یا اس سے بھی چھوٹی چیز کی مثال دے "**

اللہ تعالی اپنی عظمت اور قوت کے ثبوت کے طور پر بلا امتیاز تمام جانوروں کی مثالیں دیتے ہیں چاہے وہ اونٹ جیسے بڑے جانور کی ہو یا شہد کی مکھی جیسے چھوٹے جانور کی کیونکہ یہ تمام ایک نہایت اہم مقصد سرانجام دیتی ہیں۔

**" آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ہم نے اسے بلا مقصد نہیں بنایا ۔"**

حتی کہ تمام کائنات کو بھی مثال کے طور پر پیش کیا گیا تا کہ انسان اس سے سیکھیں۔

**" یقینا اللہ کسی مثال کے بیان کرنے سے نہیں شرماتا، خواہ مچھر کی ہو، یا اس سے بھی ہلکی چیز کی. ایمان والے تو اسے اپنے رب کی جانب سے صحیح سمجھتے ہیں اور کفار کہتے ہیں کہ اس مثال سے اللہ نے کیا مراد لی؟ اس کے ذریعہ بیشتر کو گمراہ کرتا ہے اور اکثر لوگوں کو راہ راست پر لاتا ہے اور گمراہ تو صرف فاسقوں کو ہی کرتا ہے۔" (البقرہ 26)**

عام عقیدے کے برخلاف، مچھر جن سے ہمیں واسطہ پڑتا ہے یقینا ایک پیچیدہ مخلوق ہیں یہ اپنے اردگرد کی مخلوق کو اُن کے جسمانی درجۂ حرارت کے مطابق مختلف رنگوں میں دیکھتے ہیں چونکہ ان کی درجہ حرارت کی حس دن کی روشنی کی محتاج نہیں، وہ اندھیرے کمرے میں خون کی باریک نسوں کو بھی گہرا سرخ دیکھ سکتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ مچھروں کو اپنا غذائی منبع تلاش کرنے میں کوئی مشکل نہیں ہوتی۔

مچھر کے یہ حساس حسی اعضاء (Receptors) درجۂ حرارت میں کی بیشی حتی کہ ایک درجے کا چھوٹا سا حصہ بھی پہچان لیتے ہیں۔

یہاں ہم نے صرف چند مثالیں دی ہیں لیکن اللہ کی کمال تخلیق کا کائنات میں با آسانی مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

عالم طبعی کے وجود کا اصل مقصد اللہ کی کمال تخلیق اور دانائی کا ٹھوس ثبوت ہے۔اس کو سمجھنے کا طریقہ صرف یہ ہے کہ ہر چیز کا مخلصاً تجزیہ دیکھنے والی آنکھ اور سوچنے والے ذہن سے کیا جائے۔اس طرح مفصل اور شاندار انتظام جو کائنات میں موجود ہے، اس کا بہتر مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

**" جس نے سات آسمان اوپر تلے بنائے (تو اے دیکھنے والے) اللہ رحمن کی پیدائش میں کوئی بے ضابطگی نہ دیکھے گا، دوبارہ نظریں ڈال کر دیکھ لے کیا کوئی شگاف نظر آتا ہے؟ پھر دوہرا کر دو دو بار دیکھ لے تیری نگاہ تیری طرف ذلیل و عاجز ہو کر تھکی ہوئی لوٹ آئے گی۔" (الملک 3-4)**

**" کیا انھوں نے زمین میں سیر و سیاحت نہیں کی جوان کے دل ان باتوں کے سمجھنے والے ہوتے یا کانوں سے ہی ان (واقعات) کو سُن لیتے، بات یہ ہے کہ صرف آنکھیں ہی اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔" (الحج 46)**

" کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی ہر چیز کو
تمہارے کام میں لگا رکھا ہے اور تمہیں اپنی ظاہری و باطنی نعمتیں بھرپور
دے رکھی ہیں، بعض لوگ اللہ کے بارے میں بغیر علم کے اور بغیر ہدایت
کے اور بغیر روشن کتاب کے جھگڑا کرتے ہیں۔" (لقمٰن 20)

" کہہ دیجئے کہ زمین میں چل پھر کر دیکھو تو سہی کہ کس طرح اللہ
تعالیٰ نے ابتداءً پیدائش کی پھر اللہ تعالیٰ ہی دوسری نئی پیدائش کرے گا،
اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔" (العنکبوت 20)

" اور ہم نے آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو ناحق پیدا نہیں
کیا، یہ گمان تو کافروں کا ہے سو کافروں کے لئے خرابی ہے آگ کی۔"
(صٓ 27)

"اور آسمان و زمین کی ہر ہر چیز کو بھی اس نے اپنی طرف سے تمہارے
تابع کر دیا ہے۔ جو غور کریں یقینا وہ اس میں بہت سی نشانیاں پا لیں گے۔"
(الجاثیۃ 13)